288



مولانا محمد جوناگڈھی رحمہ اللہ
حیات و خدمات

تالیف

ڈاکٹر محمد مجیب الرحمن بنگلہ دیشی

ترجمہ

عبد اللہ اسماعیل سلفی مرشد آبادی

ناشر

ادارۃ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ بنارس

مولانا محمد جوناگڈھی رحمہ اللہ
حیات و خدمات



تالیف

ڈاکٹر محمد مجیب الرحمن بنگلہ دیشی

ترجمہ

عبداللہ اسماعیل سلفی مرشد آبادی

ناشر

ادارۃ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ بنارس الہند

نام کتاب : مولانا محمد جوناگڈھی رحمہ اللہ، حیات و خدمات
مترجم : عبداللہ اسماعیل سلفی
کتابت : عبدالباری شکیب فیضی
صفحات : ۸۷
تعداد : ۵۰۰
سن اشاعت : اگست ۱۹۹۵ء
مطبع : سرفراز آفسٹ پریس مئو
قیمت : ۳۵/ روپئے

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) ریوڑی تالاب، بنارس ۲۲۱۰۱۰
۲۔ مکتبہ ترجمان ۴۱۱۶، اردو بازار، دھلی ۶۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

اس حقیر کوشش کو مولانا جونا گڑھی رح کے دو مایۂ ناز ہمعصر اور بزرگ و بلند پایہ صدیق حمیم حضرت مولینا ثناء اللہ امرتسری رح اور مولینا ابو القاسم سیف بنارسی رح کے نام معنون کرتا ہوں، اور دعاء کرتا ہوں کہ اللہ پاک تینوں بزرگوں کو اعلی علیین میں جگہ دے، آمین۔

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان الخ۔

د. محمد مجیب الرحمن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

تقسیم ہند سے پہلے برصغیر کی جماعت اہلحدیث میں متعدد ایسے علماء، مصنفین اور محققین موجود تھے جنہوں نے اپنے علم وفضل سے ایک جم غفیر کو فیض پہنچایا، اور جماعت کے اصول ومقاصد کی اشاعت وتائید کے باب میں گراں قدر خدمت انجام دی، ان بزرگوں کے کارنامے بیحد عظیم اور ان کی خدمات قابل فخر ہیں، لیکن ان میں سے اکثر کی حیات وخدمات کا اب تک صحیح تعارف نہیں ہو سکا ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی علمی تاریخ کے اندر ایک خلا محسوس ہوتا ہے، جامعہ سلفیہ نے شروع ہی سے اس خلا کو پُر کرنے پر توجہ دی ہے، اور اس سلسلہ کی بعض چیزیں منظر عام پر بھی آچکی ہیں، لیکن ابھی کام کا بڑا حصہ باقی ہے۔

ہمارے محترم ڈاکٹر محمد مجیب الرحمٰن صاحب اپنے ستھرے علمی ذوق اور جماعتی غیرت وحمیت کی وجہ سے اس پہلو کی تکمیل پر متوجہ ہیں، مگر موصوف کی مصروفیات متنوع ہیں اس لئے اس نوعیت کے کام پر پوری توجہ نہیں دے پاتے، بنگلہ زبان میں موصوف نے جماعتی تاریخ سے متعلق متعدد کام کئے ہیں جنہیں علمی حلقوں میں

بے حد مقبولیت حاصل ہوئی ہے، بنگلہ میں محترم ڈاکٹر صاحب کا ایک کام حضرت مولانا محمد جوناگڈھی رحمہ اللہ کے سوانح سے متعلق ہے، اسے جامعہ سلفیہ کے ایک فاضل مولوی عبداللہ سلفی نے اردو کا جامہ پہنایا ہے، مولانا جوناگڈھی کی علمی شخصیت بہت عظیم اور ان کی دینی واصلاحی خدمات بیحد وقیع ہیں، مسلک عمل بالکتاب والسنۃ کی تائید واشاعت کے لئے مولانا موصوف نے تدریس وتصنیف اور خطابت کے میدان میں جو ٹھوس خدمت انجام دی ہے اور جس طرح علمی حلقوں پر اپنا سکہ بٹھایا ہے اس کا تقاضا ہے کہ اسلام کے اس بطل جلیل کی زندگی اور تقریری و تحریری کارناموں کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کیا جائے، اور موجودہ نسل کو بتایا جائے کہ کس طرح ہمارے علماء نے اخلاص وللّٰہیت اور ایثار وبے نفسی کے ساتھ ملت وجماعت کی خدمت انجام دی ہے، اور آج ہم سے ان کی خدمات کیا مطالبہ کر رہی ہیں۔

ڈاکٹر مجیب الرحمٰن صاحب کو جماعت کا درد ہے، اسی لئے موصوف جماعت کے مشاہیر علماء کے کارناموں کا معروضی انداز میں تعارف چاہتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ موصوف کا یہ مختصر کام مولانا جوناگڈھی سے متعلق بڑے کاموں کے لئے نشانِ راہ بنے گا اور ڈاکٹر صاحب موصوف اسی طرح اپنی نگارشات سے جماعتی تاریخ میں رنگ بھرتے رہیں گے۔

ڈاکٹر صاحب کا تعارف چونکہ اس کتاب میں شامل ہے، اس

لئے ان سے متعلق مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا، البتہ جامعہ سلفیہ، اس کے کارکنان اور جماعت وجمعیۃ سے محبت وتعلق کے لئے نیز جامعہ کو اپنی نگارشات سے سرفراز کرنے پر ان کا بیحد شکر گزار ہوں، اور دعاء کرتا ہوں کہ ان کی زبان وقلم سے علمی ودینی خلقوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے، وصلی اللہ علی رسولہ الکریم، والحمد للہ رب العالمین ۔ ooo

(مقتدیٰ حسن ازہری)
جامعہ سلفیہ، بنارس
۲۰ / صفر ۱۴۱۶ھ





عرض مؤلف

اس میں کوئی شک نہیں کہ فرزندان توحید وسنت اور علمبرداران قرآن وحدیث نے جو اس برصغیر کے چپے چپے میں کاروان حق وصداقت کے حدی خوان تھے ہندوستان جیسی جنگ وجدال اور بادصرصر کی پیدا کردہ خزاں میں اشاعت قرآن وسنت اور تعلیم وتدریس احادیث نبویہ کی اپنے خون جگر سے آبیاری کی تھی، فقہی تعصب وتصلب کے طوفان کے سامنے شمع سنت کے لئے بلا کسی جھجک وہچکچاہٹ کے انہوں نے اپنا خون پیش کر دیا۔ اس طرح تقلیدی جمود کی دبیز تہیں اور شخصی آراء وافکار کی تہہ بہ تہہ ظلمتیں چھٹ گئیں کہ آنے والی نسل خراج تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ سکی۔ سنت نبویہ کے ان پاسبانوں نے تاریخ کے صفحات پر ایسی حقیقت ابدی ثبت کی کہ اگر یہ سرفروشان اسلام اور حدیث رسول کے حقیقی علمبردار نفوس قدسیہ نہ ہوتے تو شاید آج بھی برصغیر کا مسلمان عقیدہ وعمل میں وہیں کھڑا ہوتا جہاں محمد بن قاسم کی آمد سے قبل تھا۔

بلاشبہ اشاعت علم حدیث کے جن کاروان سالاروں نے برصغیر کے طول وعرض میں نمایاں حصہ لیتے ہوئے اپنے خون جگر سے اس کی آبیاری کی ان میں شیخ الکل میاں سید نذیر حسین صاحب، شیخ الاسلام

مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا شمس الحق عظیم آبادی، مولانا عبدالرحمن مبارکپوری، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا عبید اللہ رحمانی رحمہم اللہ خاص طور پر قابل ذکر اور باعث صد افتخار ہیں، بلاشبہ انہوں نے آئندہ نسلوں کے لئے ایسی رہنمائی کی اور ایسے نقوش چھوڑے کہ ہماری تاریخ رہتی دنیا تک اس پر ناز کرے گی

حضرت مولانا محمد صاحب جوناگڑھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی ہیں، اس ضمن میں موصوف کے تذکرہ کے بغیر چونکہ یہ بحث بالکل ہی تشنہ رہ جاتی، اس لئے آج اپنے قارئین کرام کے روبرو ان کی سوانح عمری کے شروع میں اپنی چند گزارشات پیش کرتا ہوں۔

باوجودیکہ مولانا محمد صاحب جوناگڈھی میرے خسر ہیں مجھے ان سے کبھی ملاقات کا شرف نہیں مل سکا۔ اس کی وجہ ذکر کرنا میرا مقصود نہیں ہے میں یہاں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ۱۹۴۱ئ؁ میں جب کہ مولانا موصوف نے اس دنیائے آب و گل کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہتے ہوئے عالم جاودانی کو سدھارا اس وقت سے لے کر آج تک اس ۵۵ سالہ وقفہ میں کسی نے بھی ان کے سوانح مرتب کرنے کی طرف دھیان نہیں دیا، اسی خلا کو پر کرنے کی غرض سے بنگلہ دیش کی سرزمین میں بیٹھ کر ۱۹۸۵ئ؁ میں میں نے بنگلہ زبان میں ان کا سوانحی خاکہ مرتب کرنا شروع کیا تو میرے سامنے متعلقہ مواد صفر کے برابر ہی تھے، کیونکہ ان کے ہم عصر علماء اور دانشوریزان کے سن رسیدہ خویش واقارب زیادہ تر اللہ کو پیارے ہو چکے تھے، اس پر مستزاد یہ کہ ان کے حقیقی

وارثین جو بقید حیات تھے ان میں سے کسی نے بھی میری طرف دستِ تعاون دراز نہیں کیا۔ ایک دفعہ تو یوں بھی ہوا کہ راج شاہی میں ان کے بیٹے کے گھر پہونچ کر میں ان کی چند تصنیفات اس غرض سے لے آیا کہ ان کتابوں کو پڑھ کر ان کی روشنی میں کچھ خامہ فرسائی کرنے کی کوشش کروں گا، مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے یہ دیکھا کہ کچھ ہی دیر بعد وہ میری عدم موجودگی میں میرے گھر پہونچ کر ساری کتابیں واپس لے کر چلے گئے، اس کارِ خیر میں یہ پہلی رکاوٹ تھی جو میرے سامنے آئی۔

لیکن اس قدر نامساعد اور مایوس کن حالات کے باوجود بھی میں نے ہمت نہیں ہاری، جہاں تک مجھ سے بن پڑا سست رفتاری کے ساتھ اپنا بے جان قلم گھسیٹتا ہی رہا، مگر افسوس اس بات کا ہے کہ مولانا موصوف کی پاک وہند اور بنگلہ دیش کے اندر کثیر تعداد میں اولاد اور پسماندگان کے ہونے کے باوجود نہ کسی کو اس طرف توجہ ہوئی اور نہ ہی کسی نے قدم اٹھایا، اس کے برعکس اگر کسی نے اس معاملہ میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا تو بجائے اس کے کہ اس کا ہاتھ بٹاتے عدم تعاون اور سرد مہری سے کام لیا، حالانکہ ان حقیقی وارثین کا رشتہ ان کے ساتھ خون کا ہے اور بالواسطہ نہیں بلکہ براہ راست ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو

چنانچہ اس مایوس کن ماحول میں اپنی علمی کم مائگی اور بے بضاعتی

کے باوجود اپنے قلم کو جنبش دیتا رہا اور جو کچھ تیار ہوا اسے لے کر کشاں کشاں ڈھاکہ پہونچا اور بنگسال روڈ کے ایک ناشر کے ہاتھوں تھمایا، پھر خدا کی شان دیکھتا ہوں کہ وہاں کے مولانا عارف ایم، اے نامی ایک بندۂ خدا نے اسے فوراً ہی زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا بیڑا اٹھالیا، موصوف کو آج مرحوم کہتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

کتاب تو خیر مولانا عارف مرحوم کی وساطت سے منظر عام پر آگئی مگر چونکہ حجم و مواد کے لحاظ سے میرے حسب منشاء نہیں تھی اس لئے میں نے راجشاہی یونیورسٹی کے معین الدین صاحب کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مولانا جوناگڈھی پر پی، ایچ، ڈی کا مقالہ تیار کریں، منظوری کے لئے سارے کاغذات داخل کردیئے گئے، اور تمام مراحل طے ہوگئے، جائے پیدائش جوناگڈھ اور جائے سرگرمی عمل دہلی کے دورہ کے لئے یونیورسٹی کی طرف سے ایک خطیر رقم بھی منظور ہونے والی تھی کہ یہ منصوبہ حسد و عناد کی نذر ہوگیا۔ ہوا یہ کہ ایک اسٹوڈنٹ اور اہل حدیث رفیق کار نے اپنے شعبہ کے چیرمین کے نہ معلوم کیا کان بھر دیئے کہ اس راہ میں روڑا پڑگیا۔

اس طرح یہ برکت والا کام صرف کینہ، نخوت اور معاصرانہ چشمک کا بری طرح شکار ہوگیا۔ اس آفتہ العلم والعرفان نے خدا جانے کتنے علمی کاموں کا ہمیشہ کے لئے سدباب کردیا ہوگا۔ اللہ پاک ہی ان آفتوں کی روک تھام کرے، اور اپنے چشمۂ فیاض سے ایسے اشخاص پیدا کرے جن کے ذریعہ اس قسم کے ملتوی کام پھر سے جاری و ساری ہوجائیں

وما ذلك على الله بعزیز۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب بھی کسی فن میں کوئی کتاب پہلی بار قلمبند کی جاتی ہے تو نہ وہ بہر لحاظ جامع مانع ہوتی ہے اور نہ بہر گوشہ مکمل کہی جاسکتی ہے، البتہ مرور ایام کے بعد دھیرے دھیرے پایۂ تکمیل کو پہونچ جاتی ہے۔

میں اپنے قارئین کرام سے ضرور اس بات کی استدعا کروں گا کہ مجھے اپنی دعائے خیر میں یاد فرماتے رہا کریں تاکہ مستقبل میں موانع کے سیاہ بادل چھٹ جائیں اور آئندہ اللہ پاک مجھے مزید مشمولات اور اضافوں کے ساتھ اسے شائع کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے اپنی امیدیں وابستہ رکھتے ہوئے ہر وقت مجھے یقین محکم ہے کہ اگر مشیت ایزدی شامل حال رہی تو وہ سنہرا دن دور نہیں جبکہ میرا حسین خواب صحیح معنی میں شرمندۂ تعبیر ہوگا، اور اس موضوع پر میں اپنی نگرانی میں ایک پی، ایچ، ڈی کا تحقیقی مقالہ تیار کراؤں گا۔

اس سے پہلے اسلاف میں سے مولانا شمس الحق عظیم آبادی پر بنگلہ زبان میں ایک کتاب لکھ کر شائع کرچکا ہوں، نیز اپنی ہی زیر نگرانی موصوف کی حیات، آثار ونقوش اور عظیم کارناموں پر اپنے شاگرد رشید ڈاکٹر عبدالسلام کے ہاتھوں پی، ایچ، ڈی کا تحقیقی رسالہ مکمل کرا چکا ہوں، اور اس رسالہ پر راجشاہی یونیورسٹی نے انھیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی ہے اس سلسلہ میں جامعہ سلفیہ کے ریکٹر جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری صاحب نے بڑی دریا دلی سے دست تعاون دراز کرتے ہوئے بڑا احسان فرمایا تھا اسی طرح مولانا عظیم آبادی کے بارے میں مولانا ڈاکٹر عزیر شمس صاحب میرے

پیش رو، قدوہ اور سبّاق الغایۃ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہم سب صحیح معنی میں انہی کے خوشہ چیں ہیں، فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

سرزمین ھند کے ان دو بطل جلیل کے علاوہ بنگلہ دیش کی اور بھی کئی قابل قدر شخصیتوں کو اپنی تصنیفات کے ذریعہ ملک و ملت کے روبرو پیش کر چکا ہوں، اب میرا منصوبہ یہ ہے کہ اپنی اولین فرصت میں برصغیر کے مایۂ ناز سپوت، شہرۂ آفاق سیرت نگار مولانا قاضی سلیمان سلمان منصور پوری نیز محدث عصر حضرت مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہم اللہ پر خامہ فرسائی شروع کروں۔

عالم بے بدل حضرت مولانا محمد جوناگڈھی رحمہ اللہ پر جب میں نے خامہ فرسائی شروع کی تو مجھے یہ پتہ چلا کہ اپنی جماعت کے صرف ایک معتمد شخص ہی نہ تھے بلکہ سلفی عقائد کی علمی و عملی روایات کا سچا نمونہ اور عملی پیکر تھے، بالفاظ دیگر ملک و ملت کی آبرو تھے، ان کی سیرت و کردار اور علم و عرفان کی گہرائی ایک بحر بیکراں تھی، وہ حضرت حسان بن ثابت کے اس شعر کے مصداق تھے:

لسانی صارم لاعیب فیہ　　　وبحری لا تکدرہ الدلاء

علمی خدمات اور آثار کو مزید بسط و تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کی خاطر بڑی عرق ریزی، کاوش اور جانفشانی کے ساتھ کچھ اور بھی انمول مواد اور معلومات فراہم کی تھیں، مگر یک لخت مجھے بنگلہ دیش کے جغرافیائی حدود پار کر کے امریکہ کی سرزمین میں آبسنا پڑا، اس لئے میرا وہ سارا اندوختہ اسی نقل مکانی اور غریب الوطنی کی نذر ہو گیا۔ ؎

یرید المرء أن یوتی مناہ
ویأبی اللہ إلا ما یشاء

اللہ بھلا کرے مولانا عبد اللہ محمد اسماعیل سلفی مرشد آبادی کا جنہوں نے میری اس کسمپرسی کو بھانپ لیا اور میرے ایما پر لبیک کہتے ہوئے میری ناچیز بنگلہ تصنیف "مولانا محمد جوناگڈھی کی سوانح عمری" کو اردو جامہ پہنانے کا بیڑا اٹھایا۔

اردو ایڈیشن قارئین کرام کے پیش خدمت ہے، اس کے تاریک و روشن پہلو نیز حسن و قبح کی جانچ پڑتال وہی کریں گے، کیونکہ کسوٹی تو انہی کے ہاتھوں میں ہے، مگر محترم قارئین سے ایک بار پھر میری عرض ہے کہ ناچیز کی اس پہلی کوشش میں جو لغزشیں اور کوتاہیاں ہوں ان کی ضرورنشاندہی کریں تاکہ آئندہ اشاعت میں ان غیر ارادی غلطیوں کی تصحیح کرلی جائے ۔ میں ان حضرات کا بے حد شکر گذار رہوں گا۔

اردو مترجم مولوی عبد اللہ اسماعیل سلفی ماشاء اللہ بنگالی نزاد ہونے کے ساتھ ساتھ جامعہ سلفیہ بنارس کے فارغ التحصیل ہیں، اور اردو زبان و ادب میں اچھی خاصی دلچسپی رکھتے ہیں،

اس ناچیز تالیف کی تکمیل و تحسین کی خاطر جو حضرات نئی معلومات فراہم کریں گے اور اپنے مفید مشوروں سے نوازیں گے میں ان کا ہمیشہ ممنون رہوں گا۔

اس موقع پر میں اپنے دیرینہ کرم فرما محترم جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری صاحب کا رہین منت ہوں جنہوں نے میری استدعا پر اپنی

گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کتاب کا پیش لفظ تحریر فرمایا، یہ ان کی بلند حوصلگی، علم دوستی، اخلاق و کردار کی عظمت اور انسانی ہمدردی کا بین ثبوت ہے، علاوہ ازیں موصوف نے جامعہ سلفیہ کی طرف سے کتاب کی تصحیح اور مجلس انتظامی سے اس کی اشاعت کی منظوری کروائی۔

اللہ پاک اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور اسے ہماری رستگاری اور نجات اخروی کا باعث بنائے، آمین۔

فقیر بارگاہ صمدی
محمد مجیب الرحمٰن
پروفیسر و صدر شعبۂ عربی و اسلامیات
راجشاہی یونیورسٹی، بنگلہ دیش

حال مقیم
۲۲۲۷ ایسٹ میڈو ایونیو،
ایسٹ میڈو، نیویارک۔ امریکہ۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

کسی انسان کی ترقی اور اس کے ابھرنے میں زمانہ اور ماحول کا اگرچہ بڑا دخل ہوتا ہے مگر آدمی کی انتھک کوشش، مسلسل جد وجہد، حصول علم کا شوق اور صبر واستقلال ہی دراصل اس کے لئے فوز وفلاح کا دروازہ کھولتا ہے۔

توحید وسنت کے علم بردار ابو عبداللہ حضرت مولانا محمد جوناگڑھی کے اوپر مذکورۃ الصدر باتیں پورے طور پر صادق آتی ہیں، مرحوم ایک جامع علوم اور یگانۂ روزگار شخص تھے۔ اپنے کارنامے، خدمات، مسلسل تعلیم وتبلیغ، اور صداقت وانسانیت کے ذریعہ اس قوم کے گمراہ افراد کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے کے لئے جن شخصیتوں کا ظہور اس عالم فانی میں ہوا تھا، ان نفوس قدسیہ میں مولانا محمد جوناگڑھی کا نام سر فہرست ہے، برصغیر ہند وپاک میں تعلیم یافتہ طبقہ کے اندر آپ کا نام معروف ومشہور ہے، آپ کی وفات کے بعد سے آج تک بیالیس برس کا طویل عرصہ ماضی میں تبدیل ہو چکا ہے۔

اپنی زندگی میں موصوف نے متعدد بار غیر منقسم بنگال کی سرزمین پر قدم رنجاں فرمائے، ہائی کورٹ کلکتہ میں مقدمہ کی پیروی کی اور یہاں انہوں نے شادی بھی کی، مگر حیف ہے کہ تا ہنوز کسی بھی زبان

میں مولانا مرحوم کی جو پہلی شخصیت کے نصیحت آموز احوال، معلومات افزاء اقوال اور ان کی دینی و ادبی خدمات کا کسی شخص نے جائزہ لینے کی کوشش نہیں کی، اسی چیز نے مجھے مولانا کے بارے میں اختصار کے ساتھ کچھ لکھنے کے لئے آمادہ کیا۔ وما توفیقی إلا باللہ۔

ولادت اور نشو نما

علامہ جونا گڑھی کی پیدائش سابقاً صوبہ بمبئی اور حالیاً صوبہ گجرات میں ضلع کاٹھیاواڑ کے شہرت یافتہ شہر جونا گڑھ میں ہوئی جو متحدہ ہندوستان میں اسلامی ریاست کے نام سے معروف تھا، آپ جس خانوادہ میں پیدا ہوئے اس کا نام "میمن" ہے، جو اس زمانہ میں بہت ہی مشہور تھا، صرف اسی زمانہ میں ہی نہیں بلکہ آج بھی وہ میمن خاندان ذھن و فراست، شجاعت و بسالت، امامت و قیادت، عزت و عظمت اور دولت و ثروت میں ترقی کے بام عروج پر گامزن ہے۔

آپ کے والد محترم ابراہیم صاحب مرحوم تاجر غلہ تھے، اور والدہ کا نام "بیوی حواء" تھا، یہ دونوں بھی اسی برادری سے تعلق رکھتے تھے، ان ہی دونوں کے خلوص، محبت و پیار کا ثمرہ مولانا محمد جونا گڑھی ہیں جو ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے، بچپن کی تعلیم صرف حروف تہجی کی شناخت تھی جو انہوں نے اپنے وطن مالوف میں جناب مولانا عبداللہ جونا گڑھی سے حاصل کی تھی۔

موصوف کے والد ماجد محمد ابراہیم صاحب ابتداء بلوغت سے ہی حریت فکر اور آزاد [illegible] کے مالک تھے، اس لئے انہوں نے خود کو تقلید جامد کے بندھن سے آزاد کر کے "محمدی" وصف سے مزین کرنا

پسند فرمایا تھا، آپ کے خیال میں ھادیٔ عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر کسی امتی کی نجات ناممکن تھی، اس لئے ان کو تقلید سے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا تھا، اسی بناء پر موصوف کو اپنے سرپرستوں اور رشتہ داروں کی طرف سے غیر معمولی تکالیف برداشت کرنی پڑیں۔

بیوی حواء سے آپ کی شادی ہوئی اور ان کے بطن سے تین فرزند اور ایک دختر ہوئے، ان اولاد کے اسماء گرامی علی الترتیب یہ ہیں :-
اسماعیل، عائشہ خاتون، محمد اور عبدالسبحان۔

پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ مولانا محمد جوناگڑھی کی ابتدائی تعلیم صرف ابتدائی حروف کی شناخت تک محدود تھی، اسی محدود علم کو لے کر جب جوانی کے زینہ پر قدم رکھا تو آپ کے والد بزرگوار نے آپ کی شادی ایک نیک سیرت لڑکی موسومہ بہ اُمینہ سے کر دی، چونکہ تعلم وتعلیم کا کوئی ارادہ نہ تھا اس لئے آپ کے پدر محترم نے آپ کو عطر فروشی کی تجارت میں لگا دیا، اور آپ نے بڑی کامیابی سے یہ تجارت جاری رکھی۔

ادھر زوجین کے پیار ومحبت کے نتیجہ میں بیوی اُمینہ کی گود چاند سے ایک خوبصورت بچہ سے بھر گئی۔ مگر افسوس! کہ وہ بچہ جلد ہی لقمۂ اجل بن گیا، اس رنج والم کی شب تار میں صبح امید آنے سے قبل ہی محترمہ اُمینہ دوسرے بچہ کے وضع حمل کے موقعہ پر داعی اجل کو لبیک کہہ بیٹھیں۔ فإنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

ازدواجی زندگی میں مولانا کو اپنی شریکۂ حیات سے اس قدر محبت وانسیت تھی کہ ان کے اچانک انتقال سے آپ کی زندگی کو سخت

صدمہ لاحق ہوگیا، ہر دم آپ کھوئے کھوئے رہتے۔ جس کی خاطر آپ کو اہل خاندان کی جانب سے بڑی پھٹکار کا سامنا کرنا پڑا، اور سب کی نظر میں حقیر ہو گئے، اس لئے آپ اپنے والدین کو بتلائے بغیر ترک وطن کرنے اور کہیں دوسری جگہ چلے جانے کے عازم ہوئے۔

سفر دہلی اور حصول علم

اس دور میں شہر دلی مسلم بیداری کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیم اور تہذیب و تمدن کا عظیم مرکز تھا، وہاں کے شہرۂ آفاق علماء کے سامنے زانوء تلمذ تہہ کئے اور ان کی شاگردی حاصل کئے بغیر زندگی میں اعلیٰ مقام حاصل کرنا اور عالمی سطح پر اپنے کو اجاگر کرنا کسی شخص کیلئے قریب قریب ناممکن تھا اس دور میں دہلی کی ہر مسجد تعلیم و تعلم کا ایک مرکز تھی، علوم و معارف اسلامیہ کی تمرین گاہ اور دینی تعلیم کے ہر شعبہ کی اعلیٰ یونیورسٹی تھی۔

لہذا ۱۹۱۳ئہ بائیس سال کی عمر میں اپنے مادر وطن کی محبت و کشش سے خود کو آزاد کر کے بڑے خفیہ طور سے کسی صبح دہلی کی جانب روانہ ہوئے آپ کے والد بزرگوار ابراہیم نے اپنے فرزند عزیز کو غائب پا کر اپنی دنیا کو تاریک تصور کیا، بسیار تلاش کے بعد بھی جب پتہ نہ لگا سکے تو بڑے رنجیدہ و کبیدہ خاطر ہوئے، تھوڑے ہی دنوں کے بعد ہونہار فرزند کی مفصل تحریر پہونچی جسے پڑھ کر اطمینان ہوا اور تسلی کی سانس لی، مولانا جوناگڑھی وارد دہلی ہو کر وہاں کی مرکزی تعلیم گاہ اور مشہور ادارہ "مدرسہ امینیہ" میں داخل ہوئے اور بڑی یکسوئی کے ساتھ تعلیم حاصل کرنا شروع کیا، مگر چونکہ وہاں کے طریقہ تعلیم میں آزادئ فکر، حریت خیال اور اجتہاد کے لئے جگہ نہ تھی، بلکہ اس کے برعکس

وہاں کے طریقہ تعلیم کے ہر گوشہ کی رگ جاں میں تقلید شخصی کے جراثیم محلول تھے، اس لئے بہت جلد اس ادارہ سے کبیدہ خاطر ہو گئے، آپ نے دل ہی دل میں کسی ایسے ادارہ کی تلاش شروع کی جہاں کا نصاب تعلیم کسی خاص مسلک کا ترجمان نہ ہو، بلکہ جملہ مذاہب کی فقہ پر حاوی ہو اور خصوصی طور پر کتاب وسنت کی صحیح تعلیم اس کا لائحہ عمل ہو، خوش قسمتی سے جلد ہی اس قسم کے ادارہ کا پتہ لگ گیا، وہ ادارہ صدر بازار دہلی میں اپنے وقت کا معروف ومشہور ادارہ تھا جس کا نام دار الکتاب والسنۃ تھا، اس کے بانی مولانا عبدالوہاب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ تھے، یہاں مختلف مذاہب کی فقہ، منطق، فلسفہ، اصول وتاریخ وغیرہ علوم کی تعلیم ہوتی تھی، مگر سب سے زیادہ زور قرآن وسنت کی صحیح تعلیم و تربیت پر تھا، آپ نے یہاں داخلہ لے کر بڑی رغبت اور خلوص قلب کے ساتھ تعلیم حاصل کرنی شروع کی، آپ بچپن ہی سے نہایت تیز، ذکی اور فہیم واقع ہوئے تھے، آپ نے اس خدا داد صلاحیت کو وافر مقدار میں کام میں لگایا، آپ یہاں کے مروجہ طریقہ تعلیم درس نظامی میں شریک ہوئے۔ اس زمانہ میں پھاٹک حبش خاں دہلی میں مشہور محدث مولانا عبدالرحیم غزنوی اور مولانا عبدالرشید کا تعلیمی ادارہ بھی کم شہرت کا حامل نہ تھا، یہ دونوں شمس العلماء شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین (متوفی ۱۳ اکتوبر ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء) محدث دہلوی کے لائق وفائق ارشد تلامذہ میں سے تھے، ان کے ادارہ سے بھی آپ نے بھرپور استفادہ کیا، تحصیل علم میں آپ نے انتہائی جانفشانی اور تن دہی سے کام لیا، جس کی وجہ سے آپ اساتذہ کی نظر میں بڑے محبوب ہو گئے، مذہبی علوم

کی باریک اور دقیق تحقیق میں آپ نے جو غیر معمولی صلاحیت ولیاقت اور فہم و فراست کا مظاہرہ کیا، اس سے ہم عصر علماء وصلحاء متعجب ہو کر رہ گئے، اس طرح آپ کی عقلمندی ذکاوت اور معلومات وافرہ کی شہرت ہر سو پھیل گئی۔

۱۹۱۳ء میں آپ وارد دہلی ایسے وقت ہوئے جس وقت دہلی کے ہر چہار جانب اور پورے پنجاب میں فتنۂ قادیانیت پوری طرح پھیل چکا تھا، اس کے سدباب نیز تبلیغ اسلام کے لئے دنیا کے معروف حکیم، مسیح الملک اجمل خاں کی کوشش سے دہلی میں ایک عظیم الشان اسلامی کانفرنس منعقد کی گئی، پاک، بنگال، بھارت کے تمام معروف ومشہور علماء اور مسلم مندوبین شریک کانفرنس ہوئے اس میں علامہ شبلی نعمانی (رحمہ اللہ) کی پیش کش کے مطابق صدارت کی کرسی پر علامہ ثناء اللہ رح امرتسری رونق افروز ہوئے، اس کے بعد موصوف نے پوری طاقت صرف کر کے فتنۂ قادیانیت کے خلاف حملہ شروع کر دیا۔

اس وقت مولانا جوناگڑھی کی تعلیم کا ابتدائی زمانہ تھا، اور آپ علوم نقلیہ کی تحصیل میں سرگرداں تھے، علاوہ ازیں علوم عقلیہ یعنی منطق، فلسفہ، اصول مناظرہ وغیرہ دہلی کے مشہور عالم مولانا محمد اسحاق صاحب دہلوی اور مولانا محمد ایوب پارچہ کی خدمات میں حاضر ہو کر پڑھا، اور مہارت تامہ حاصل کی۔ غالباً یہ حضرات دہلی کی تاریخی عظیم درسگاہ دارالحدیث رحمانیہ میں بھی وقتاً فوقتاً تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

دہلی کی معروف درسگاہ دارالحدیث رحمانیہ

مقام کا تقاضہ یہ ہے کہ محترم قارئین کے سامنے دارالحدیث رحمانیہ کا پس منظر اختصار سے پیش کردیا جائے تاکہ مرحوم جامعہ (جس کے ثمرہ سے ملت اسلامیہ رہتی دنیا تک مستفید ہوتی رہے گی، ان شاء اللہ) کی یاد تازہ ہوجائے اور اس جامعہ کو چلانے کے پیچھے جن محسنین کی کرم فرمائی تھی ان کو اپنی دعاؤں میں شامل کرلیں۔

دارالحدیث رحمانیہ کی تاسیس کے اسباب وعوامل سے متعلق اگرچہ تحریری شکل میں ہمارے سامنے کوئی مستند دلیل نہیں ہے مگر اکتوبر ۱۹۸۴ء کا شمارہ محدث (بنارس) میں محمد فاروق اعظمی جلگاؤں کا مضمون " دارالحدیث رحمانیہ دہلی " اور اسی کے تعاقب میں مکتوب جو" الاعتصام " لاہور کے ۱۱ ستمبر ۱۹۸۷ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا، جس کا عنوان " دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے قیام کا پس منظر" ہمارے سامنے ہے، ہم دونوں کے بیان کا خلاصہ یہاں پیش کرتے ہیں، ساتھ ہی " الاعتصام " لاہور کے مضمون کو حق بجانب تصور کرتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

محدث بنارس کے قلمکار کے مطابق دارالحدیث رحمانیہ کا تاریخی پس منظر یوں ہے: "ماضی قریب میں جماعت اہل الحدیث کے بعض دردمندوں کو اس بات کی سخت تشویش تھی کہ اکابر علماء اہلحدیث ایک ایک کرکے اٹھتے جارہے ہیں ان کی جگہ لینے والا کوئی نہیں ہے، تعلیم وتعلم کا سلسلہ ٹوٹتا جارہا ہے، اور ملک کے طول وعرض میں

کوئی ایک مثالی اور معیاری سلفی درسگاہ نہیں ہے جہاں باقاعدہ تعلیم و تربیت کا نظم ہو اور آنے والی نسلوں کو اپنے اسلاف کی نیابت اور عامۃ المسلمین کی قیادت کے لئے تیار کیا جاسکے، لہذا حافظ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی رحمہ اللہ نے دہلی کے رئیس کبیر جناب شیخ عبدالرحمٰن کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ شہر دہلی میں ایک ایسی مرکزی درسگاہ کا قیام عمل میں لایا جائے، جو اس خلا کو پُر کرسکے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس تجویز کے محرک مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی تھے، اولیت جن کو بھی حاصل ہو، یہ حقیقت ہے کہ اول روز ہی سے یہ دونوں حضرات اس تحریک کے حامی، مؤید اور فعال رکن رہے، اور اپنے تعاون و اشتراک سے اس تحریک کو تقویت پہنچاتے رہے۔

مدرسہ کے قیام کی تجویز ایک ندائے غیبی تھی جو حاجی شیخ عبدالرحمٰن صاحب کے قلب وجگر میں اتر گئی اور ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں تقریباً ایک لاکھ کے کثیر سرمایہ سے اس کی عمارت بن کر تیار ہو گئی۔"

یہ تھا محدث کا بیان۔ ہفت روزہ الاعتصام کے بیان کے مطابق "دارالحدیث رحمانیہ کے اصل محرک ولئ کامل حضرت صوفی محمد عبداللہ بانئ جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن، پاکستان، ہیں۔ وہ اس طرح کہ پہلی جنگ عظیم کے وقت خلافت عثمانیہ کی حمایت و اعانت میں تحریک مجاہدین یعنی جمعیت عالیہ مجاہدین چمرقند واسمست پیش پیش تھی، تاکہ مسلمانوں کا عالمی مرکز خلافت عثمانیہ شکست و ریخت سے بچ سکے، اور ہندوستان بھی ڈیڑھ صد سالہ غلامی سے نجات حاصل کرسکے، چونکہ

دارالعلوم دیوبند کا شمالی سرحدی صوبہ اور آزاد قبائل میں بڑا اثر تھا اس لئے تحریک مجاہدین نے مولٰینا محمود الحسن رح کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ فتویٰ دیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے، اس فتویٰ کے ذریعہ جمعیت مجاہدین ان قبائل کو جہاد پر آمادہ کر سکے گی، کیونکہ ہندوستان کی فوجی چھاؤنیاں اس وقت خالی پڑی تھیں، پورے ہندوستان پر قبضہ کرکے آزاد مملکت قرار دے دینا یا کم ازکم خلافت عثمانیہ کو دشمنوں سے محفوظ رکھنا اسی طریقہ سے ممکن تھا، مگر اہل دیوبند سے اتنا بھی نہ ہو سکا، اس میں ناکامی کے بعد جمعیت مجاہدین نے دوسرا پروگرام مرتب کیا اور اس میں دارالعلوم دیوبند کے مشائخ کا اشتراک وتعاون چاہا، اس دفعہ اس کام کے لئے جمعیت نے صوفی محمد عبداللہ کی شخصیت کو منتخب کیا، صوفی جی دیوبند پہونچے، پیغام دارالعلوم کے شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیری کی خدمت میں پہونچانا تھا۔

علامہ انور شاہ اس وقت ترمذی شریف کا درس دے رہے تھے، صوفی صاحب کے بیان کے مطابق شاہ صاحب اس وقت ترمذی شریف کی ایک حدیث کی تردید فقہی دلائل کے ذریعہ کر رہے تھے، صوفی صاحب فرماتے ہیں: "مجھ سے نہ رہا گیا، میں نے کہا حضرت آپ ترمذی پڑھا رہے ہیں یا اس کی تردید کر رہے ہیں؟" علامہ انور شاہ نے مجھ سے کہا کہ تم نے ترمذی پڑھی ہے؟ میں نے کہا نہیں، انہوں نے کہا جب تم نے پڑھی ہی نہیں تو تمہیں کیا معلوم کہ میں تائید کر رہا ہوں یا اس کی تردید کر رہا ہوں؟ میں نے کہا جو آدمی دینی مسائل کا ادنیٰ

شعور بھی رکھتا ہے وہ ایک لمحہ میں کتاب کی پڑھائی اور اس کی تردید کا فرق محسوس کر سکتا ہے، اتنی سی بات تھی کہ شاہ صاحب کے حلقۂ تلامذہ میں شامل پٹھان طلبہ مکے، گھونسے اور چاقو لے کر میری طرف لپکے، لیکن میں نے کہا، میں جماعت مجاہدین کا پیغام علامہ صاحب کے نام لے کر آیا ہوں، مجھے اگر کسی قسم کا گزند پہونچا تو اس کا خمیازہ بھگتنے کے لئے تیار رہو۔

علامہ انور شاہ نے طلبہ کو سختی سے ڈانٹا اور ان کو میرے اوپر دست درازی سے منع فرمایا اور طلبہ کو حکم دیا کہ وہ مجھے مہمان خانہ میں لے جائیں، نیز علامہ موصوف نے فرمایا کہ سبق سے فارغ ہونے کے بعد میں بھی وہاں آجاؤں گا، وہ دونوں لڑکے جن کے سپرد مجھے کیا گیا تھا کہنے لگے، حضرت! تم بڑے خوش نصیب ہو اتنی بڑی جسارت کے باوجود بچ گئے ورنہ تم ان پٹھان طالب علموں کی خون آشامی کی نذر ہو جاتے، انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم اہل حدیث ہیں، ۸۰ اسّی طلبہ اور بھی یہاں پڑھتے ہیں، ہم اپنا مسلک چھپا کر اور اپنے کو حنفی ظاہر کر کے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ صوفی صاحب نے ان سے دریافت کیا کہ تم فراغت تک اہل حدیث ہی رہتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم میں کی غالب اکثریت تو حنفی ہو جاتی ہے، البتہ چند وہ طالب علم جن کا گھریلو ماحول خالص دینی، علمی اور مسلکی ہے وہ ثابت قدم رہتے ہیں ورنہ ہمارا سے "ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد" جیسا معاملہ ہوتا ہے۔

صوفی صاحب نے فرمایا کہ تم اہل حدیث مدارس میں کیوں نہیں داخلہ لے لیتے، انہوں نے جواباً کہا، اہل حدیث مدارس ہیں ہی کہاں

جہاں ہم داخلہ لیں ؟ دو چار جو ہیں وہ بھی چند طلبہ سے زائد داخل نہیں کرسکتے، اگر ہمارا بندوبست ہو جائے تو ہم تمام اہل حدیث طلبہ دارالعلوم دیوبند سے نکل سکتے ہیں۔

صوفی صاحب اسی وقت شیخ عبدالعزیز رحیم آبادی رحمہ اللہ کے پاس پہونچے کیونکہ وہ جماعت مجاہدین کے رکن رکین تھے اور صوبہ بہار سے جماعت مجاہدین کی خاصی امداد کرتے تھے، چنانچہ صوفی صاحب نے حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی سے درد انگیز الفاظ میں سارا ماجرا بیان کیا اور بسط و تفصیل کے ساتھ اپنی مصروفیات پیش کیں اور ان سے درخواست کی کہ جلد از جلد اہل حدیث دینی مدارس کا قیام عمل میں لایا جائے، ورنہ اہل حدیث نسل حنفی ہو جائے گی، چنانچہ صوفی صاحب کی تحریک سے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی نے دربھنگہ بہار کے ڈاکٹر سید محمد فرید مرحوم کو مدرسہ قائم کرنے کا حکم دیا اور ادارہ قائم ہوگیا، جو آج بھی دارالعلوم احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے کے نام سے ملک و ملت کی خدمت پر گامزن ہے، چونکہ یہ مدرسہ بھی اہل حدیث طلبہ کے داخلہ کے لئے ناکافی تھا اس لئے حضرت صوفی صاحب کی دلی تمنا ابھی تشنۂ تکمیل تھی، چنانچہ صوفی صاحب مرحوم مولانا رحیم آبادی کی تائید سے حاجی عبدالرحمٰن مرحوم کے پاس دہلی پہونچے، حاجی عبدالرحمٰن بھی جماعت مجاہدین کے ایک عظیم ہم خیال اور نہایت مخلص معاون تھے تمام رؤساء دہلی سے حاجی عبدالرحمٰن کا مالی تعاون جماعت مجاہدین کے ساتھ زیادہ تھا، حضرت صوفی صاحب کی حاجی عبدالرحمٰن رح سے اچھی خاصی شناسائی تھی، صوفی صاحب نے ان سے دارالعلوم دیوبند میں

پیدا شدہ اپنی آپ بیتی اور وہاں اہل حدیث طلبہ کی بے بسی کا قصہ درد بھرے الفاظ میں کہہ سنایا، اور مزید توثیق کے لئے مولانا رحیم آبادی کا زبانی پیغام اور تحریری بیان بھی ان کی خدمت میں پیش کیا، حاجی صاحب بہت متأثر ہوئے اور وعدہ فرمایا کہ جلد ہی ایک عظیم الشان دینی ادارہ قائم کیا جائے گا، چنانچہ سنہ ۱۹۲۱ء میں حاجی صاحب رح نے زرِ کثیر صرف کر کے ایک سال کے اندر دار الحدیث رحمانیہ کی عظیم الشان بلڈنگ قائم کر دی" یہ تھا الاعتصام کے مضمون کا خلاصہ۔

اس مدرسہ کی شہرت عالمی پیمانہ پر تھی برصغیر ہند کی سرحد کے باہر سے بھی آنے والے طلبہ کا ہجوم اپنی علمی تشنگی کو یہیں سے سیراب کر کے واپس جاتا، مدرسہ رحمانیہ دہلی کے صدر مقام باڑا ھندو راؤ میں قائم تھا، آج کے جدید دور میں ہم جس کو یونیورسٹی کہتے ہیں اس سے کہیں زیادہ رحمانیہ کا مقام و مرتبہ بالاتر تھا۔

شیخ عبدالرحمٰن و شیخ عطاء الرحمٰن دونوں بھائیوں کے ناموں کی مناسبت سے اس مدرسہ کا نام مدرسہ رحمانیہ رکھا گیا تھا۔ بڑے بھائی عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد مدرسہ کی تمام ذمہ داری شیخ عطاء الرحمٰن کے کندھوں پر آئی، ان کے احساس ذمہ داری، تواضع، خاکساری، للّٰہیت اور خدا پرستی کا یہ حال تھا کہ پھاٹک حبش خان کے اپنے عالیشان مکان سے روزانہ فجر نماز کے لئے پیدل چل کر جماعت میں حاضر ہوتے تھے، ڈرائیور کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے اسے بیدار کرنا پسند نہ کرتے تھے، آگے چل کر مولانا جونا گڑھی نے اسی مدرسہ رحمانیہ کے متصل اپنی رہائش گاہ تعمیر کرائی تھی۔

ہر ہفتہ جمعہ کی نماز کے فوراً بعد رحمانیہ کے دروازہ پر کار بھیجتے اور مدرسہ کے تمام مدرسین مدعو ہو کر اسی کار کے ذریعہ کھانا تناول فرمانے کے لئے سیٹھ عطاء الرحمٰن کے محل میں حاضر ہوتے۔ اساتذۂ مدرسہ کے علاوہ ایک اور شخصیت خصوصی طور پر مدعو ہوتی، وہ شخصیت تھی مولانا محمد جوناگڑھی ؒ کی۔

شیخ عطاء الرحمٰن کے تین فرزند تھے، فضل الرحمٰن، عبدالوہاب اور حبیب الرحمٰن۔ فرزند اکبر تعلیمی میدان میں کوئی خاص کردار نہ ادا کر سکے، بقیہ دونوں بھائیوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی اور تقسیم ملک کے بعد دونوں بھائی کراچی ہجرت کر گئے تھے۔

شیخ عطاء الرحمٰن کے انتقال کے بعد آپ کے منجھلے فرزند شیخ عبدالوہاب نے مدرسہ کی جملہ ذمہ داری سنبھالی، آپ نے بھی جمعہ کے دن اساتذہ کو محل میں مدعو کر کے لانے کا دستور برقرار رکھا مگر اس میں مولانا محمّد جوناگڑھی تشریف نہ لاتے بلکہ ان کا کھانا ان کے گھر بھیج دیا جاتا تھا۔

مولانا جوناگڑھی کے مخلص رفقاء میں حافظ حمید اللہ کا اسم گرامی مختلف اعتبار سے خاص طور پر قابل ذکر ہے، آپ کے فرزند حافظ یحییٰ صاحب کے مکان پر ابھی ماضی قریب میں مجھے بھی دعوتِ طعام میں شرکت کا موقع ملا، اس وقت صدر بازار دہلی ہی میں آپ کا عالی شان مکان قائم تھا، حافظ حمید اللہ کی طرح مولانا جوناگڑھی بھی مدرسہ رحمانیہ کے ساتھ گہرا ربط و تعلق رکھتے تھے، رحمانیہ کے سخت قوانین کی زد میں آکر نکالے جانے والے طلبہ آخر کار مولانا جوناگڑھی کے پاس حاضر ہوتے آپ انھیں صرف پناہ ہی نہیں دیتے بلکہ اپنے میگزین آفس سے متصل

کمرہ میں رات کو قیام وطعام کا انتظام کرتے اور ان کی تعلیم خود اپنے تئیں اس طرح دیتے کہ مدرسہ رحمانیہ میں بعد کو آنے والے امتحان میں آسانی سے وہ طلبہ شرکت کرسکیں، اور درحقیقت یہی ہوتا بھی تھا، آپ کے اندر تفہیم مسئلہ کا اس قدر ملکہ تھا کہ طلبہ آسانی سے سمجھ جاتے۔

علمی سرگرمیاں

گزشتہ صفحات میں مذکور ہوچکا ہے کہ مولانا جوناگڑھی نے دہلی آکر دارالکتاب والسنۃ میں مولانا عبدالوہاب سے یکسوئی کے ساتھ تعلیم حاصل کی، اختتام تعلیم کے بعد جب مولانا عبدالوہاب نے امامت کا دعویٰ کیا اور اپنی امامت تسلیم کرنے کا سب کو حکم دیا تو مولانا جوناگڑھی نے ان کے غلط دعوی کی تردید میں لب کشائی فرماتے ہوئے بحث ومناظرہ شروع کردیا، مناظرہ میں مولانا عبدالوہاب حاضر نہ ہوئے بلکہ آپ کے شاگرد خاص مولانا عزت اللہ صاحب شریک ہوئے، مجلس مناظرہ مسجد کلاں کے سامنے منعقد ہوئی اس میں مولانا عبدالوہاب علیہ الرحمہ مغلوب ہوئے۔ اس کے بعد صدر بازار ہی میں ایک دوسری مسجد قائم کرکے اپنے خیالات کی تبلیغ کرنا شروع کردی۔

مولانا جوناگڑھی اسلام کے بے باک علم بردار اور باکمال خطیب تھے، استاذ کی عزت اپنی جگہ پر تھی مگر اظہار حق میں اپنے استاذ کی تردید کرنے سے گریز نہ فرماتے، آپ علی الاعلان فرماتے، استاذ محترم! میں نے آپ سے حاصل کردہ علم کی روشنی میں ہی اظہار حق اور تبلیغ اسلام کا اقدام کیا ہے" اس قسم کے بہت سے مناظرے فرقہ امامیہ وغیرہ سے مولانا نے کئے۔

مدرسہ محمدیہ کا قیام

اختتام تعلیم کے بعد عملی زندگی میں اپنے خیالات کو کارگر بنانے کی نیت سے سب سے پہلے ایک دینی مدرسہ کے قیام کی بابت سوچا، اور آخر ش اجمیری گیٹ اہل حدیث مسجد کو مذاکرۂ علمیہ کا مرکز اور مثالی تعلیم گاہ قرار دیا، اس ادارہ کا نام بھی مولانا نے مدرسہ محمدیہ رکھا، اس میں دیگر اساتذہ کے ساتھ ساتھ آپ خود بنفس نفیس بیرونی طلبہ کی علمی تشنگی بجھانے کی سعی بلیغ فرماتے۔ ۲۸ رسال کے طویل عرصہ تک یعنی مولانا کی ۱۹۴۱ء میں وفات تک یہ مدرسہ حسن انتظام کے ساتھ قائم رہا، بعد کے زمانہ میں آپ کے شاگرد رشید مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی اور مولانا عبدالرشید صاحبان نے اس مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں، اول الذکر نے اردو بازار دہلی کے تاریخی مدرسہ "ریاض العلوم" میں بھی بہت دنوں تک تعلیم دی۔

صحافتی سرگرمیاں

اجمیری گیٹ میں قیام کے دوران مولانا مرحوم نے تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا، تبلیغ اور اشاعت دین کے مقصد سے ایک ماہنامہ "گلدستۂ محمدیہ" کے نام سے جاری کیا، جس نے ایسی قبولیت حاصل کی کہ وہ رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہوا ۱۹۲۱ء میں "اخبار محمدی" کے نام سے پندرہ روزہ کی صورت میں شائع ہوتا رہا، یہ اخبار آپ کی ادارت اور حسن انتظام سے ۱۹۴۲ء تک یعنی پورے اکیس سال کی طویل مدت تک نہایت آب و تاب کے ساتھ جاری رہا، دیندار طبقوں میں ان دنوں اس اخبار کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا، اس کا مقصد وحید توحید و سنت

کی بے لاگ تبلیغ واشاعت نیز رو بہ زوال اور محوِ خواب غفلت مسلم قوم کو ان کے روشن ماضی سے روشناس کرانا اور ہلاکت کے دلدل سے نکلنے کے طریقوں سے آگاہ کر کے تعلیم اسلامی کو ان کے دلوں میں بٹھانا تھا اس وجہ سے اس کی افادیت کا کسی بھی ناحیہ سے انکار کرنا ممکن نہیں۔

اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ اس اخبار کے یوم ابتداء ہی سے مولانا جوناگڑھی ایڈیٹر رہے، اور مرتے دم تک حسن نظم و نسق کے ساتھ اسے جاری رکھا، ۱۹۴۱ء میں آپ کی وفات کے بعد آپ کے خلف رشید و لائق شاگرد جناب مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی کی ادارت میں وہ اخبار جاری رہا، اور پھر بوجوہ بند ہو گیا، آئندہ چل کر مولانا سہسوانی کی ادارت میں اخبار محمدی کے دفتر ہی سے نام کے تغیر کے ساتھ ایک اور پرچہ جاری ہوا مگر دونوں کے معیار اور مضامین میں حد درجہ کا فرق تھا، درحقیقت ان دنوں "اخبار محمدی" کے ذریعہ مسلمانوں کے غلط عقائد و خیالات کی اصلاح کی جاتی اور غیر مسلموں کے مختلف النوع اعتراضات کے جوابات بھی دیئے جاتے تھے۔ ۲۰/۲۱ سال کی لمبی مدت میں اس نے کس قدر دین اسلام اور ملت اسلامیہ کی خدمت انجام دی، اس کا اندازہ اور اس حقیقت کا اعتراف ہر اس شخص کو ہوگا جو اس کا قاری رہا ہوگا۔ اس اخبار کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ یہ تحریک اہل حدیث کے خلاف مختلف اطراف و جوانب سے جو اتہام لگائے جاتے تھے، اس کی تردید کرتا اور مسلمانوں کو کتاب و سنت کی طرف راغب کرتا تھا، ہر عربی ماہ کی پندرہ تاریخ کو یہ اخبار شائع ہوتا تھا، ہر شمارہ کے صفحات

کی تعداد سولہ ہوتی۔

اختتام تعلیم کے بعد سے لے کر اخبار محمدی کے اجراء اور اس کے کچھ دنوں بعد تک آپ اجمیری گیٹ ہی میں قیام فرمان رہے، کیونکہ یہین آپ کا قائم کردہ مدرسہ محمدیہ اور اخبار کا صدر دفتر تھا۔

رحمانیہ کا ذکر مکرر

مولانا مرحوم کے انتقال مکانی کا تذکرہ چھیڑنے سے قبل ہم پھر آپ کو مدرسہ رحمانیہ کا ذکر خیر سناتے ہیں، کیونکہ مولانا کا اس سے بڑا تعلق تھا، مدرسہ رحمانیہ کے سب سے پہلے مدرس اعلیٰ جناب مولانا میر محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی تھے، اور سالانہ امتحان کے ممتحن مولانا محمد عبد اللہ صاحب روپڑی تھے۔

مدرسہ رحمانیہ کے اساتذہ کی طویل فہرست میں ایک اور شخصیت کا نام خصوصی طور پر قابل ذکر ہے وہ ہیں شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ مبارکپوری، صاحب مرعاۃ المفاتیح کے والد ماجد جناب مولانا عبد السلام مبارکپوری، مؤلف سیرۃ البخاریؒ۔ موصوف اس وقت حدیث وتفسیر کے علاوہ شرح چغمنی بھی پڑھاتے تھے، آپ کی شہادت کا قصہ نہایت ہی تکلیف دہ اور اندوہناک ہے۔

ایک روز مولانا عبد السلام مبارکپوری نے راجشاہی بنگلہ دیش کے ایک شاگرد شجاع الدین باسودیب پوری سے فرمایا کہ میں نے پوری رات شرح چغمنی کا مطالعہ کیا مگر کچھ خاص مطلب نہ سمجھ سکا، میرے خیال میں اس کا کلیہ ہی صحیح نہیں ہے، جواب میں شجاع الدین نے عرض کیا کہ میں نے محلہ دریبہ میں جاکر ایک عمدہ شرح حاصل کی ہے، مولانا نے مانگ کر دیکھا تو عمدہ پایا اور اسی وقت حاصل کرنے کی غرض سے

نکل پڑے کہ کہیں ختم نہ ہو جائے، اثناء طریق میں راہ عبور کرتے ہوئے نئی سڑک گھنٹہ گھر کے پاس یکہ گاڑی کے حادثہ کا شکار ہو گئے، اور پھر دریبہ اسپتال میں دار آخرت کے لئے چل بسے، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ہر سال مدرسہ رحمانیہ کا سالانہ امتحان لینے کے لئے مولانا حافظ محمد عبداللہ روپڑی اپنے مختلف بھانجوں کے ہمراہ تشریف لاتے، آپ کی رفاقت میں آنے والے بھانجوں میں حافظ عبدالقادر اور حافظ محمد اسماعیل وغیرہ کے اسماء قابل ذکر ہیں، یہ حضرات بھی معروف عالم دین واعظ اور میرے جانے پہچانے اشخاص ہیں، مولانا روپڑی اپنے ان بھانجوں سے اس قدر پیار رکھتے تھے کہ حافظ عبدالقادر سے اپنی لڑکی کی شادی کر دی تھی، ان بھانجوں کو ساتھ لے جانے میں مقصد یہ تھا کہ امتحانی امور میں ان سے تعاون حاصل کیا جائے، کیونکہ صرف ایک آدمی اتنے طلبہ کا امتحان تنہا کیسے لے سکتا ہے؟ مدرسہ رحمانیہ کے اساتذہ میں متعدد دفعہ تبدیلی وجود میں آتی رہی، مگر سالانہ امتحان کے طریقے اور سالانہ ممتحن کی تبدیلی یا مولانا عبداللہ روپڑی کے نعم البدل کے طور پر کسی دوسرے کو لانے کا خیال کبھی تصور میں لایا ہی نہیں گیا، یہ موصوف کا معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ اسی طرح کے فخر عالم علامہ مجھ ناچیز سے بھی اس قدر محبت کرتے تھے کہ حج بیت اللہ کے لئے مکہ جاتے وقت چوک دل گرا مدرسہ میں تدریسی کام انجام دینے کے لئے مجھے نائب مقرر کر گئے تھے، یہ بھی میرے لئے کم فخر کی بات نہیں ہے۔

مدرسہ رحمانیہ کا ششماہی امتحان مدرسہ کے اساتذہ ہی لیتے تھے اور ان کے ساتھ مولانا جوناگڑھی بھی شریک کار ہوتے۔

مزید خانگی احوال

اتنے دنوں سے آپ کی غیر معمولی ذہانت، تیز فہمی فراست اور نظم و نسق کے سلیقہ کا مشاہدہ کرکے دہلی کے متعدد تجار اور رئیسوں نے شادی کے پیغامات آپ کے پاس بھجوائے، لیکن آپ نے اپنے استاذ عبدالوہاب صاحب کی سالی رابعہ خاتون کو ترجیح دی اور ان سے عقد کرلیا۔

شادی کے بعد اب رہائش گاہ کی ضرورت تھی، اب آپ گھریلو زندگی میں داخل ہوچکے تھے اور صاحب اولاد بھی ہوچکے تھے، اس وقت کی اولاد میں احمد (نابینا) حسن، حسین، مریم، فاطمہ، زبیدہ اور ہاجرہ کے نام ملتے ہیں، اسی دوران اپنے مادر وطن کی کشش سے جوناگڑھ کی سرزمین میں حاضر ہوئے اور وہاں ایک خاندان کے اصرار پر اور مادر وطن کے حق کی رعایت کرتے ہوئے دوسری شادی کی، اس لڑکی کا نام حلیمہ تھا، مگر ان کو پکارنے کے وقت "عائشہ دوم" کہہ کر پکارتے تھے، جو بھی ہو عائشہ ثانیہ کے بطن سے خدیجہ نام کی ایک لڑکی اور احمد نام کا ایک لڑکا پیدا ہوا۔ احمد کی ولادت کے وقت مولانا نے ایک بہت اچھی نظم لکھ کر شائع کی تھی، دونوں بیوی اور اپنے بچوں اور بچیوں کو لے کر اجمیری گیٹ کے قریب ایک کرایہ کے مکان میں رہتے تھے کچھ دنوں کے بعد اس مکان میں چوری ہوگئی، جس میں گھر کا سارا اثاثہ روپئے، زیورات اور کپڑے وغیرہ سب چوری ہوگئے۔

ان سارے اسباب کی بنا پر نہایت رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوئے اور ایک پکی عمارت کی ضرورت کا احساس آپ کو شدت کے ساتھ ہونے لگا، مکان کی تعمیر اور مشورہ کے سلسلہ میں اعانت کا ہاتھ سب سے زیادہ

شیخ عطاء الرحمٰن صاحب، حاجی سیٹھ عبدالوہاب، حافظ حمید اللہ اور حاجی علیجان اور ان کے فرزند حاجی محمد صالح وغیرہ رئیسوں نے بڑھایا تھا آخرالذکر دو صاحبان کی رہائش گاہ نئی سڑک گھنٹہ گھر کے نزدیک تھی، مگران حضرات میں شیخ عطاء الرحمٰن کی امداد واعانت سب سے بڑھ کر تھی، اتفاق رائے سے رہائش گاہ کی تعمیر کے لئے مدرسہ رحمانیہ کے بغل میں ایک وسیع خالی جگہ متعین ہوئی، احباب ومخلصین کی لگاتار امداد و اعانت کی وجہ سے گھر تقریبا عالیشان محل کے مثل بن گیا، یہ وسیع جگہ بھی شیخ عطاء الرحمٰن نے بلاقیمت مولانا جوناگڑھی کو رجسٹری کر دی تھی، وہ جگہ خالی پڑی تھی، اور وہاں غیر معروف خودرو درختوں کا جنگل ہو گیا تھا، علاوہ ازیں پتھر وا اینٹ کے ٹکڑوں کا ٹیلہ بھی وہاں بن گیا تھا، بہرحال تمام آلائشیں صاف کر کے مولانا جوناگڑھی کا مکان تیار کرایا گیا۔

کچھ دنوں کے بعد اس مکان کے بغل میں شیخ عطاء الرحمٰن کی آئس فیکٹری بنائی گئی اور اسی کی دوسری جانب مدرسہ رحمانیہ کی بلڈنگ تھی، اس دور میں مولانا جوناگڑھی کے مکان کی تعمیری اخراجات کل =/۳۲۰۰ روپئے ہوئے تھے، بالائی منزل میں آپ مع اہل وعیال رہتے تھے، اور پہلی منزل میں مطبع، کتب خانہ اور پنجابی کرایہ دار تھے۔

کتابوں کی تصنیف وطباعت اور اس کی فروخت سے حاصل شدہ منافع سے آپ نے مذکورہ بالا خانہ تعمیر کرایا تھا اور فراخی معاش کے ساتھ آپ کی زندگی بسر ہوتی تھی، جدید عمارت سے متصل اخبار محمدی کا آفس روم تیار کر کے بیشتر وقت وہیں صرف کرتے، اخبار کے لئے مضمون نویسی کے ساتھ ساتھ دوسری کتابوں کی تسوید کا کام بھی انجام دیتے۔

خطابت ومناظرہ جمعہ کے دن اجمیری گیٹ کی مسجد میں خطبہ دیتے، آپ کی تقاریر وخطبے کا ذکر کرتے ہوئے "تذکرۂ محمدی" میں مولانا داؤد راز رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

" تصنیف وتالیف کے علاوہ میدان خطابت کے بھی آپ ایک نامی شہسوار تھے، قوت گویائی کا یہ حال تھا کہ گھنٹوں تقریر فرماتے اور تکان کا نام ونشان بھی نہ ہوتا، توحید اور سنت کے موضوع پر آپ کے خطبات اس قدر دلنشیں ہوتے کہ سامعین ہمہ تن گوش بن جاتے، سب سے پہلے آپنے اہلحدیث کانفرنس دہلی کے اجلاس میں کرسی پر کھڑے ہوکر تقریر فرمائی، زور تقریر اور جوش جوانی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے وزن اور طاقت سے دو تین کرسیاں ٹوٹ گئیں، پھر تو میدان خطابت میں اس قدر مشہور ہوئے کہ ملک کے پورب پچھم جہاں کہیں بھی کوئی غیر معمولی تبلیغی جلسہ ہوتا حاضرین آپ کی تشریف آوری کے ضرور متمنی رہتے۔"

دوسری جگہ پر لکھتے ہیں:

" اللہ تعالیٰ کی تعریف وحمد وثنا اور اس کے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام آپ کے مواعظہ حسنہ کا زیور تھا، اسٹیج یا منبر پر تشریف لاتے ہی خطبۂ مسنونہ کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا کے لئے ایسے ایمان افروز اور دل نشیں جملے زبان پر لاتے کہ سامعین ہمہ تن تصویر بن جاتے، خود اس وقت مرحوم پر جو والہانہ کیفیت طاری ہوتی تھی اس کو صفحۂ قرطاس پر بیان نہیں کیا جاسکتا، آپ محبتِ الٰہی میں مدہوش ہو جاتے اور اس حالت بے خودی میں ایسے ایسے بہترین الفاظ زبان سے نکالتے جن کو القاء ربانی ہی کہنا مناسب ہے، ہند وپاکستان کے لکھوکھا

مسلمان اب بھی ایسے موجود ہیں جن کو مرحوم کی مجالس خطبات میں شرکت کا موقع ملا ہے، وہ لذت، وہ وجد اور ماحول، وہ والہانہ انداز، وہ حلاوت، وہ لطافت، وہ ندرت وکیف جو مرحوم کی مجالس ومواعظ میں ہر چہار سو نمایاں ہوتا تھا، آج تک سننے والوں کے دماغوں میں ایک غیر فانی نقش بنائے ہوئے ہے۔"

آپ وعظ ونصیحت کے لئے قرب وجوار اور دور کی سبھی مجالس میں شرکت فرماتے، آپ کی جادو بیانی، شعلہ بیانی اور پر خلوص دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی نصیحت کو سن کر سامعین ہمہ تن گوش بن جاتے، آپ کی نصیحت کو سن کر کوئی بھی سامع متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا، حق بات تو یہ ہے کہ آپ کے دل نشیں انداز بیان، عقلاً ونقلاً باتوں کی موزونیت، موضوع کی اہمیت، زبان کی سلاست وروانی اور اپنی باتوں کو مناسب موقع ومحل میں فٹ کرنے کی صلاحیت سے سامعین مسحور ہو جاتے، قرآن وسنت کے دلکش بیانات، سیرت نبوی، تاریخ اسلامی، فرقہ بندی ومذہبی تنازع کے انجام، سلف صالحین کے پرکشش وپر خلوص واقعات وغیرہ آپ کی تقاریر کے عمومی مضامین تھے، ان سب موضوعات کو حالات حاضرہ کے ساتھ منطبق کرنے میں بھی آپ مہارت تامہ رکھتے تھے۔

مذکورہ موضوعات آپ کے زوردار خطبہ کے درمیان اس طرح واضح ہو کر سامنے آتے کہ ہر سامع کے قلب ودماغ میں اثر چھوڑے بغیر نہ رہتے، آپ کی حکیمانہ اور دل موہ لینے والی نصیحتیں برصغیر سے شرک وبدعت اور تقلید شخصی کو مٹانے میں معاون ثابت ہوئیں، کتنے لوگوں نے آپ کی پرکشش پند ونصیحت کے جادو سے مسحور ہو کر شرک وبدعت اور تقلید شخصی کی زنجیر سے خود کو آزاد

کرلیا اور توحید وسنت کے علم بردار بن گئے، ان کی تعداد کا شمار نہیں ہوسکتا، آپ کا دل رباچہرہ، منور پیشانی اور خوبصورت جسمانی ہیئت اس کام میں مزید معاون ثابت ہوتی۔

آپ کی تقریر کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ آپ دوران تقریر بے دین اور توحید سے عاری غالی بدعتیوں کی کچھ بھی پرواہ نہ کرتے، آپ کے موحد قلب وجگر کی گہرائی سے نکلے ہوئے الفاظ اور جملوں کی آگ شعلہ زن ہوکر مخالفین وملحدین کے جسم وجان میں آگ لگا دیتی۔

ایک بار آپ ایک عام جلسہ میں نہایت ہی جوش وخروش کے ساتھ اپنی شعلہ بار تقریر سے پورے مجمع کو مسحور کئے ہوئے تھے، اور آپ کی زبان سے مسلسل الفاظ اور جملوں کی بارش ہورہی تھی، یہ تقریر ٹیٹاگڑھ کے قریب انگارہ نامی ایک گاؤں میں ہورہی تھی، مخالفین کو یہ تقریر نہ بھائی اور شومئ قسمت سے حاضرین کی ایک مخالف جماعت نے کلکتہ جاکر توہینِ مذہب کا مقدمہ دائر کردیا، اس مقدمہ کی ایک اور اہم علت دُرّۂ محمدی بنام سیف محمدی کی تصنیف بھی تھی، درحقیقت آپ کی اس ناقابل فراموش تصنیف کی قاطع دلیل اور ناقابل رد حجت نے مخالفین کے پورے جسم میں آگ لگادی تھی، جس میں مسائل فقہیہ پر بے لاگ تبصرے تھے جو ہر طرح سے قانونی دائرہ کے اندر تھے، مخالفین نے صرف مقدمہ دائر کرنے پر اکتفا نہیں کیا تھا، بلکہ دہلی کے اخبار محمدی کے آفس سے اس کتاب کی تمام کاپیوں کو غائب کردینے کی جان توڑ کوشش کی تھی، مگر خوش قسمتی سے اس کی چند کاپیاں مخالفین کی دست درازی سے محفوظ رہ گئی تھیں، ان ہی نسخوں سے بعد کا ایڈیشن منظر عام پر آسکا۔ درۂ محمدی ایک اہم اور انمول کتاب

تھی، مگر دشمنوں کو اس کی مقبولیت برداشت نہ ہوسکی اور انہوں نے انگریز حکومت کو مجبور کیا تھا کہ اسے ضبط کرلے، اس وقت کتاب ضبط تو ضرور ہوئی مگر انگریزی حکومت کے خاتمہ کے بعد ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر شائع ہوئی۔

ادھر کلکتہ ہائی کورٹ کے اس مقدمہ کو خود سہروردی صاحب نے قبول کیا تھا، یہ مقدمہ آپ کی مضبوط گرفت میں بہت دنوں تک جاری رہا، اس میں مولانا کو غیر معمولی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا، مقدمہ کی تاریخ سے پہلے ہی ان کو کلکتہ روانہ ہونا پڑتا، اس زمانہ میں سواری کا انتظام اچھا نہ تھا، مگر آپ کی شخصیت لائق مبارکباد وستائش ہے کہ صبر واستقلال کا مجسمہ بن کر تمام تکالیف اور مصائب برداشت کرکے اور اللہ پر اعتماد کامل رکھتے ہوئے مقدمہ کے پیچھے اپنی محنت صرف کرتے رہے آخرش کامیابی نے آپ ہی کے قدم چومے۔ اس مقدمہ کے سبب محنت صرف کرکے بسا اوقات آپ کے حقیقی دوست مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ (۱۲۸۷ھ - ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۸۶۸ء - ۱۹۴۸ء) امرتسر سے کلکتہ تشریف لاتے۔ مخالف ہوائیں جتنی ہی سخت ہوں، مصائب وآلام کے پہاڑ کتنے ہی سامنے آئیں اور احوال وظروف ان کے خلاف کتنی ہی سازشں کے جال بچھائیں، یہ حضرات کبھی بھی پیچھے ہٹنے والے نہ تھے، بلکہ وہ تو ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ سینہ تان کر ملک وملت کی خدمت کرکے اللہ کے پیارے ہوگئے۔

مقدمہ کے آخری مرحلہ میں آپ کلکتہ کے ایک ہوٹل میں مقیم تھے، ایک روز ہوٹل سے نکلتے وقت مخالف گروپ نے آپ پر بوتل بم پھینکا، مشیتِ الٰہی

زندہ رکھنے کو تھی آپ بال بال بچ گئے اس کے بعد بھی آپ اپنی عادت کے مطابق اپنی حقانیت پر اڑے رہے، مقدمہ کا فیصلہ مولانا کے حق میں ہوا، وہاں شرپسندوں کے مکر سے محفوظ ہو کر پہلے جج عدالت کی گاڑی اور پھر قاضی کی سواری میں بیٹھ کر باعزت اسٹیشن پہونچے، بعدہ لہریا سرائے دربھنگہ پہنچ کر آپ نے اطمینان کا سانس لیا، جہاں محترم ڈاکٹر فرید نے آپ کو مہمان بنایا آپ نے مولانا کے اکرام میں ایک شاندار جلسہ کا اہتمام کیا، اس جلسہ میں شیر پنجاب علامہ ثناء اللہ امرتسری بھی حاضر تھے، وہ بھی مولانا جوناگڑھی کے مقدمہ کا فیصلہ سننے کے لئے اس مرتبہ بھی کلکتہ تشریف لائے تھے، درحقیقت ان دونوں کے مابین اس قدر قلبی لگاؤ تھا کہ آج کل علماء کے اندر نظر نہیں آتا۔

مولانا جوناگڑھی عموماً تقریر کے لئے کھڑے ہو کر تقلید شخصی کے خلاف ہی لب کشائی فرماتے، اس بارے میں جب قرآن کی تلاوت کرتے تو سامعین کو وہم تک نہ ہوتا کہ اس کا تقلید سے بھی کوئی تعلق ہے، مگر جب آیت کی تفسیر و تشریح شروع کرتے اور تقلید شخصی کے ساتھ مناسبت ظاہر فرما دیتے تو سامعین پر عیاں ہو جاتا کہ یقیناً یہ آیت تقلید شخصی کی مخالفت کے لئے ہی نازل ہوئی ہے، کلکتہ سے جس روز لہریا سرائے پہونچے تو ڈاکٹر فرید صاحب نے ایک خاص موضوع مقرر فرما دیا، جس کا بظاہر تقلید شخصی سے دور کا واسطہ نہ تھا، مگر جب اسی عنوان کے اندر سے تقلید کے بیان کو نہایت چابک دستی سے نکال لائے جس طرح شعراء حضرات ادنی تشبیہ کو اپنے کلام میں لا کھڑا کرتے ہیں تو ان کی فطانت و فراست پر تمام حضرات تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے، دوران تقریر ان کی اور علامہ ثناء اللہ امرتسری کے دلائل اور حجتیں اس قدر ناقابل تردید اور مضبوط ہوتیں کہ مخالفین کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوتی، بہت تو ایسے

ہوتے جو شرک و بدعت کی آلائش سے توبہ کر کے صحیح قرآن و حدیث کے متبع بن جاتے۔

دلی سے قریب میرٹھ شہر میں "قرأۃ خلف الامام" کے موضوع پر ایک مجلس مناظرہ منعقد ہوئی، اس میں خاص مناظر کی حیثیت سے مولانا جوناگڑھی اور صدارت کے لئے علامہ ثناء اللہ امرتسری حاضر ہوئے۔ غالباً یہ مناظرہ ۱۹۴۰ء میں واقع ہوا تھا، جوناگڑھی صاحب کی عادت یہ تھی کہ تقریر کے بعد عموماً جلسہ گاہ سے بلا تاخیر چلے آتے، میرٹھ کے جلسہ سے بھی آگئے تھے، اختتام جلسہ کے بعد مخالفین نے کہا کہ مولانا نے موضوع اور اس کے دلائل تو ٹھیک ہی پیش کئے ہیں مگر انہوں نے کہیں بھی حوالہ پیش نہیں کیا، علامہ ثناء اللہ امرتسری نے فوراً جیپ بھیج کر مع ضروری کتابوں کے ان کو طلب کیا، آپ نے حاضر ہو کر تقریر میں پیش کردہ تمام دلائل کے مخارج و مصادر جلد اور صفحہ کھول کر دکھادیئے اس کے بعد اکثر مخالفین کی تردید اور ان کے ساتھ مناظرے تحریری کرتے، اس قسم کے جتنے مناظروں اور بحثوں میں مولانا نے حصہ لیا ان کی تفصیل "مناظرۂ محمدی" میں مذکور ہے۔ علاوہ ازیں راجکوٹ میں جو تاریخی مناظرہ ہوا تھا اس کا مفصل بیان "ظفر محمدی" کے نام سے شائع ہوا ہے، "مناظرۂ محمدی" کی تصنیف ہوشیار پور کے ایک ضدی مقلد عالم کے بحث و مباحثہ کو سامنے رکھ کر کی گئی تھی جس کی تفصیل یہ ہے:

ربیع الاول ۱۳۴۲ھ کا واقعہ ہے، ضلع ہوشیار پور پنجاب کے اوان نامی ایک گاؤں میں نظام الدین نامی ایک شخص رہتا تھا جو ملا ملتانی کے نام سے مشہور تھا، اور اس کا گاؤں "ٹانڈہ آڑماٹر" سے چند میل کے فاصلہ پر تھا، علم و معرفت [illegible] ملک وہ جتنا ہی ہو مگر تھا وہ نہایت ہٹ دھرم۔

احناف کے علاوہ دوسرے مسلک کے ماننے والوں کو وہ برداشت نہ کرسکتا تھا، دوسرے مذہب کے ماننے والوں کو ناقابل بیان اور ناقابل سماع گالیاں دیتا، محمدیوں یا اہل حدیثوں پر اس کی گالیوں کی بارشن سب سے زیادہ برستی، ان کو وہ سب سے زیادہ خراب سمجھتا اور حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا، امت محمدیہ کے اتفاق واتحاد کی دیوار میں ابھی تحقیر وتذلیل کی راہ سے افتراق لاحق ہوا اور قومی شیرازہ منتشر ہوکر رہ گیا۔

جو بھی ہو اس کی مسلسل گالیوں سے اکتا کر ٹانڈہ بستی کے خان صاحب محمد حسن نامی ایک لنگی فروش نے نہایت سنجیدگی سے کہا کہ آپ کی بے شمار گالیاں سن کر میں اکتا گیا، لہٰذا آپ اپنے گروپ میں سے ایک ثالث مقرر کرکے ایک خاص جگہ متعین کریں، میں آپ کے مخالفین میں سے کسی عالم کو لاتا ہوں تاکہ حاضرین کے سامنے حق وناحق کا فیصلہ ہو جائے۔

یہ کہہ کر خان صاحب نے ضلع ہوشیار پور مدرسہ اسلامیہ خانپور کے ناظم جناب عبد الغنی صاحب کو بلا تاخیر دہلی روانہ کردیا، موصوف نے ڈائرکٹ اجمیری گیٹ دہلی میں وارد ہوکر مولانا جوناگڑھی کو اس مجلس مناظرہ میں حاضر ہونے کی دعوت دی، مولانا اخبار محمدی کے کسی ایک ضروری کام میں بیحد مشغول تھے، پھر بھی عبد الغنی صاحب کے اصرار والحاح کو ٹال نہ سکے اور جمعرات ۴ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ کو ضلع ہوشیار پور کے گاؤں "اوان" کی طرف روانہ ہوئے۔

مقررہ وقت پر پہونچتے ہی وہاں عوام کا ایک سیلاب امنڈتا ہوا نظر آیا، دور دور سے لوگوں کی شرکت تھی "فتح کس کے پلڑے میں اور ہار کس کی تقدیر میں ہے" یہ جاننے کے لئے سبھی بے چینی کے ساتھ منتظر بیٹھے تھے، جن

میں سرکاری عملہ بھی تھا، مناظرہ کے مختلف موضوعات کے اندر اصل موضوع "غیراللہ کے نام نذر و نیاز کرنا و منت ماننا جائز ہے یا ناجائز؟" تھا، نیز یہ موضوع بھی تھا "صرف بڑے پیر عبدالقادر جیلانی کے نام کا خود ساختہ وظیفہ پڑھنا کیسا ہے؟"

ملا ملتانی کا غیظ و غضب اور ان کی اچھل کود اس روز دیکھنے کے لائق تھی، اپنے دوست واحباب، مریدین و متبعین کے جھنڈ میں محفوظ ہو کر ڈینگ ہانکتے ہوئے کہا کہ ان سے میرا مناظرہ صرف میری شرطوں کو مان لینے کے بعد ہی ہو سکتا ہے، جب مولانا جوناگڑھی نے اس کی تمام شرطوں کو خاموشی کے ساتھ مان لیا، تب ملا ملتانی نے غصہ ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ غیر مقلد حضرات تو اہل سنت والجماعۃ کے اندر ہی نہیں ہیں، کیونکہ یہ لوگ ائمہ کی تقلید نہیں کرتے، یہ حضرات جب تک اپنے کو اہل سنت والجماعت کے اندر ثابت نہ کر دیں تب تک آج کے موضوع پر بحث نہ ہوگی، اس بار بھی مولانا جوناگڑھی اپنے کو اہل سنت والجماعت ثابت کرنے پر تیار ہوئے اس کے بعد مغرب سے لے کر رات بارہ بجے تک مسلسل بحث و مباحثہ اور رد و ابطال جاری رہا۔

مولانا نے ثابت کر دکھایا کہ حقیقی معنی میں اہل حدیث ہی اہل سنت والجماعت ہیں، کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی ہے، اور دوسرے ائمہ کرام آپ کے بعد مولود ہوئے، یہ بالکل عیاں ہے کہ ۸۰ھ سے قبل کسی امام کا وجود نہ تھا اس لئے تقلید کا سوال ہی نہیں، نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دین تکمیل کو پہونچ چکا ہے۔ ازیں قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین کے سنہرے دور گذر چکے ہیں، اگر ائمہ کی تقلید کے بغیر اہل سنت ہونے کو تسلیم نہ کیا جائے تب تو صحابہ و تابعین

کو بھی اہل سنت سے خارج ماننا پڑے گا۔ خود ائمہ اربعہ کسی کے مقلد نہ تھے۔ تحریک اہل حدیث کی غرض ہی یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقہ پر لوگوں کو دعوت دی جائے۔ اسی وجہ سے اہل حدیث کا دوسرا نام "محمدی" ہے، اس سے واضح ہوگیا کہ جو لوگ مقلد نہیں وہی حقیقت میں اہل سنت ہیں، ورنہ ائمہ اربعہ بھی اہل سنت سے خارج ماننا ہوگا، اہلسنت کی تعریف میں جب تقلید کا لفظ نہیں ہے تو پھر آج بھی اہل سنت وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو تقلید کی لعنت سے پاک وصاف ہیں۔

مولانا جونا گڑھی نے عقلی ونقلی دلائل کے ذریعہ اتنی زوردار تقریر کی کہ مع ثالث بلا تفریق تمام حاضرین اثر قبول کئے بغیر رہ نہ سکے، مولانا کی ناقابل تردید حجت اور ناقابل انکار عقلی کسوٹی کے سامنے حاضرین نے اپنے سر خم کردیئے، دوسری جانب ملا ملتانی کے بے اصل اور بے بنیاد دلائل لوگوں کے سامنے پھسپھسے معلوم ہوئے۔ مخالفین، ثالث اور تمام سامعین نے مولانا کی باتوں کی حقانیت کا اعتراف کرلیا، اس مناظرہ میں مولانا نے اپنی مخالف جماعت کو شکست فاش دے کر فتح مبین حاصل کی، اور ملا ملتانی بے چارگی کے عالم میں لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کی بے سود کوشش کرتے ہوئے مجلس چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔

تصنیف وتالیف

اسلام کی ابدی تعلیم سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لئے اخبار محمدی کی افادیت واہمیت جس طرح ناقابل انکار ہے اسی طرح سیکڑوں فرقوں میں بٹی ہوئی اس مسلم قوم کو متحد کر کے ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں آپ کی تصانیف کی خدمات بھی کسی پہلو سے معمولی نہیں ہیں، آپ کی تصانیف کی تعداد

تقریباً ڈیڑھ سو تک پہونچتی ہے ۔ ہر کتاب اپنی جگہ پر قیمتی جوہر سے کم درجہ کی نہیں ہے ، انھیں مسلم قوم کے ہر فرد کے پاس موجود رہنا چاہئے، ان کتابوں کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی مدت حیات مستعار میں اکثر کتابیں دسیوں مرتبہ زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی تھیں ، آپ کی وفات کے بعد تقریباً نصف صدی میں ہند و پاک اور بنگلہ دیش سے آپ کی کتابوں کے متعدد ایڈیشن اور ترجمے شائع ہو چکے ہیں ، گردش لیل و نہار کے باوجود ان کتابوں کی اہمیت جوں کی توں باقی ہے ، مزید یہ کہ آپ کی بعض بعض کتابوں کا ترجمہ مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے ۔ بلاشبہ مولانا علیہ الرحمہ نے کتابوں کی تصنیف و ترجمہ کا کام انجام دے کر قرآن و سنت کی تبلیغ و اشاعت کی اہم ذمہ داری نبھائی ہے ، آج بھی آپ کی ہر کتاب عام و خاص ہر ایک کے نزدیک یکساں مقبول ہے ، اسلامی علوم و آداب کے مختلف شعبوں میں علی العموم کمال حاصل کر کے صرف کتابوں کی تصنیف ہی پر بس نہیں کیا ، بلکہ آنے والی جدید نسلوں کو تصنیف و تالیف کے کام میں پیش قدمی کرنے کی ترغیب دی ہے ۔

آپ کی تصنیفی خدمات کے سلسلہ میں "تذکرۂ محمدی" کے اندر حضرت العلام مولانا داؤد راز رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو قلمی میدان جہاد میں ایسا حوصلہ عطا فرمایا تھا کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی اشاعت کے سلسلہ میں بہت سی کتابیں حوالۂ قلم فرمائیں ، اور ہر کتاب مضاف بنام

پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرمائی، جیسے: ایمان محمدی، توحید محمدی، عقیدۂ محمدی، سیرت محمدی، صلاۃ محمدی، صیام محمدی، زکوٰۃ محمدی، حج محمدی، وغیرہ وغیرہ۔ یوں تو آپ کی جملہ تصانیف بہت قابلِ قدر ہیں، مگر تفسیر ابن کثیر کا اردو ترجمہ تفسیر محمدی کے نام سے آپ کی ایک بیش بہا خدمت دین ہے، جس کی وجہ سے اردو داں مسلمانوں کو تفسیر ابن کثیر جیسی ایمان افروز کتاب سے مستفید ہونے کا موقع ملا، اسی طرح سے علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کی شہرۂ آفاق کتاب "اعلام الموقعین" کو اردو کا جامہ پہنا کر نوجوانانِ اسلام کے لئے دینی غور وفکر کا دروازہ کھول دیا"

ترجمہ تفسیر ابن کثیر یعنی تفسیر محمدی

ترجمہ تفسیر ابن کثیر چار پانچ جلدوں میں آپ کا لافانی شاہکار، آپ کی تصنیف کردہ قرآن حکیم کی لائق اعتبار واعتماد ایک اہم تفسیر ہے، عربی واردو زبان بولنے والے دونوں طبقہ کے لوگوں کے اندر اس تفسیر نے بیحد مقبولیت حاصل کی۔ اصل عربی تفسیر کے مصنف علامہ ابن کثیر کا اصل ومکمل نام حافظ عماد الدین ابو الفداء عمر بن کثیر بصری قریشی دمشقی ہے۔ (۷۰۱ھ - ۷۷۴ھ مطابق ۱۳۰۲ء - ۱۳۷۳ء) اور اردو مترجم کا نام محمد بن ابراہیم جوناگڑھی ہے۔ محلہ باڑا ہندو راؤ میں جدید عمارت سے متصل اخبار محمدی کے دفتر میں آپ نے تفسیر ابن کثیر کا درس کسی خاص موقع پر دینا شروع کیا تھا، آپ کے سامعین میں دو چار عورتیں بھی ہوتی تھیں، آگے چل کر مولانا نے اس مفصل تفسیر کے عجیب وغریب طریقۂ تفسیر اور عمدہ

کلام سے متاثر ہو کر ان زبانی دروس کو شروع سے لکھنے کا عمل جاری کر دیا تھا۔ البتہ اس ترجمے کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً اپنے بڑے ساڑھو ابو عبید اللہ شیخ عبداللہ ندویؒ (۱۹۰۰ء۔ ۱۹۷۲ء) وغیرہ سے آپ مشورہ حاصل کرتے رہے، ہر ماہ ایک ایک پارہ کر کے اخبار محمدی میں بالاقساط شائع ہوئی۔ پھر ایک ایک پارہ کتابی شکل میں شائع ہوئی۔ پہلے پارہ کی اشاعت کا زمانہ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ ہے۔ مطبع جید برقی پریس دلی، ناشر دفتر اخبار محمدی، اجمیری گیٹ دلی۔ تاہم آگے کا بعض بعض پارہ "تجلی برقی پریس" وغیرہ سے بھی شائع ہوا ہے۔ پوری تفسیر کل ۲۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا مرحوم نے ترجمہ کا کام ۱۳۴۶ھ میں شروع کیا تھا اور آٹھ سال کی مدت ۱۳۵۲ھ میں ختم کیا۔

نہایت دکھ کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ آج تک تفسیر محمدی کے جتنے جدید ایڈیشن دہلی، بمبئی، کراچی، لاہور وغیرہ بڑے بڑے شہروں سے شائع ہوئے اور آج بھی ہو رہے ہیں ان میں مولانا جونا گڑھی مرحوم کا نام لکھا ہوا نہیں ہوتا حتی کہ "تفسیر محمدی" نام کو مٹا کر اس کی جگہ تفسیر ابن کثیر اردو لکھا جاتا ہے، اس سے زیادہ ظلم، بے انصافی اور جعل سازی کی کوئی مثال نہیں مل سکتی، اس ناحق بات اور اس بے حیائی کے کام میں سب سے پہلے آرام باغ کراچی کے فرے یار روڈ میں واقع اصح المطابع، کارخانہ تجارت کتب کے مالک جناب نور محمد صاحب نے ہاتھ لگایا تھا، ان کے اس صریح ظلم کی ابتدا رہی میں مولانا جونا گڑھی کے فرزند عزیز جناب

محمود میمن صاحب نے ہفت روزہ جریدہ "الاعتصام" میں ایک بیان شائع کیا تھا، اس بیان کو پڑھنے کے بعد جناب نور محمد کا کلیجہ سوکھ گیا تھا، انہوں نے محمود میمن کو تلاش بسیار کے بعد ڈھونڈ نکالا اور ان کی جیب روپئے سے بھر دی، ساتھ ہی انہوں نے ان سے اس بات پر دستخط بھی لے لیا کہ وہ اور کوئی بیان شائع نہ کریں گے۔ بنابریں موصوف نے کوئی اور بیان شائع نہیں کیا اور معاملہ وہیں دب گیا، اس طرح ایک صریح ناحق فعل اور ظلم عظیم سماج کے فضلاء ذمہ دار حضرات کی مدد حاصل کر کے آج تک ہمارے معاشرہ اور دینی محل میں جاری وساری ہے، آج تک ہند وپاکستان کے کسی بھی شہر سے شائع شدہ تفسیر محمدی کے کسی نسخہ میں مولانا جوناگڑھی کا نام مذکور نہیں ہے، چونکہ اس گناہ کے مرتکب اول جناب نور محمد صاحب ہیں اس لئے ان کی راہ پر گامزن ہونے والوں کے گناہوں سے ان کا گناہ عظیم تر ہوگا، جس میں کوئی شک نہیں ہے، اس بنا پر مولانا محمد جوناگڑھی واقعی مظلوم ہیں۔ مولانا ابو الکلام آزاد بھی کم مظلوم نہیں ہیں، اس لئے کہ ان کی اجازت کے بغیر بہت سی کتابیں تجارت کتب کراچی کے مالک نے شائع کی ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کی تعداد بھی کثیر ہے، اللہ پاک ان کو اور پوری مسلم قوم کو راہِ حق پر چلنے کی توفیق دے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مختلف زبانوں میں خصوصاً عربی میں متعدد تفاسیر کی موجودگی میں مولانا نے کن خوبیوں کی بنیاد پر تفسیر ابنِ کثیر کو ترجمہ کے لئے منتخب کیا۔ اس سوال کا جواب میں خود سے نہ دے کر

مشہور و معروف علماء، محدثین اور مفسرین کا بیان پیش کرنا مناسب تصور کرتا ہوں۔

اس سلسلہ میں صاحب علم وفضل، ماہر حدیث و مؤرخ علامہ حافظ شمس الدین ذہبی (۶۷۳ھ - ۷۴۸ھ مطابق ۱۲۷۴ء - ۱۳۴۸ء) کا فرمان قابل ذکر ہے۔ "تفسیر ابن کثیر بلا تفریق مذہب و جماعت سب کے پاس قابل قبول، من پسند، اور یکساں مفید ہے" (حاشیہ ذیل تذکرۃ الحفاظ ص ۵۷-۵۸ ذیل الذیل ص ۳۶۱ سیوطی) علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۷۷۳ھ - ۸۵۲ھ مطابق ۱۳۷۲ء - ۱۴۴۹ء) فرماتے ہیں: "تفسیر ابن کثیر اپنے مصنف کی زندگی ہی میں مقبولیت عام حاصل کرکے مختلف شہروں اور بندرگاہوں میں خاص مقام حاصل کرچکی تھی۔" (الدرر الکامنۃ ۱/۳۷۳ - ۳۷۴)

علامہ قاضی شوکانیؒ (۱۱۷۳ھ - ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۷۶۰ء - ۱۸۳۴ء) اس تفسیر کے متعلق اس طرح تبصرہ فرماتے ہیں "تفسیر ابن کثیر کے ذریعہ تمام عوام خاص طور سے نفع حاصل کرتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں، یہ ہر اعتبار سے قابل قبول و باوثوق ہے۔ اس میں آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور صحابہ و تابعین کے اقوال کے ذریعہ سلف صالحین کے طریقہ سے تفسیر کی گئی ہے، لہذا قرآن حکیم کو کماحقہ فہم و ادراک میں لانے کے لئے اس تفسیر کے علاوہ کوئی دوسری سبیل نہیں ہے۔" (البدر الطالع ۱/ص ۱۵۳) اسی طرح سے ہندوپاک کے معروف و مشہور محدث مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی کا ارشاد گرامی ہے: "بہت سے مفسرین نے اپنی [illegible] رون کو احادیث صحیحہ کے ساتھ ساتھ تمحیص و تفتیش

کے بغیر بہت سی جعلی حدیثوں سے بھی بھر دیا ہے اس لئے عوام تو درکنار بہت سے علماء بھی مشکل میں پڑ گئے ہیں کہ ان میں کون قابل اخذ اور کون قابل رد ہے۔ مگر خوش قسمتی سے تفسیر ابن کثیر اس سے مستثنیٰ ہے ایک ماہر فن حدیث اور ماہر فن اسماء رجال ہونے کی بنا پر اس کتاب کے مفسر نے نہایت سختی کے ساتھ ہر حدیث کی پوری چھان بین کرکے اس کی صحت متحقق ہونے کے بعد ہی اسے اپنی تفسیر میں جگہ دی ہے، جس کے نتیجہ میں تمام اسرائیلی روایتیں نکال دی گئی ہیں، اس لئے آٹھ جلدوں میں مکمل یہ تفسیر بلا تفریق مذہب و ملت ہر ایک کے پاس مقبول و لائق اعتبار ہو گئی ہے۔

مدتوں سے یہ اہم اور صحیح ترین تفسیر عربی زبان میں مقید ہونے کی بنا پر اردو داں طبقہ اس سے کلی استفادہ نہ کر سکتا تھا، اللہ تعالیٰ کا لاکھوں شکر ہے کہ اس نے تنہا مولانا جوناگڑھی کو اس ضخیم تفسیر کے اردو میں منتقل کرنے کی توفیق کامل بخشی، پوری ایک قوم یا مصنفین کی ایک جمعیت کی ذمہ داری کو پورے آٹھ سالوں کی محنت شاقہ اور جہد مسلسل کے بعد انہوں نے غیر ممکن کو امکان کا جامہ پہنایا ہے۔ برصغیر ہندو پاک کے اردو بولنے والے مسلمان آپ کے اس احسان کا بدلہ کبھی بھی ادا نہیں کر سکتے۔ (عقود الجمان ص۲۲)

صحیح بخاری کے مترجم و شارح مولانا داؤد راز رحمہ اللہ نے بھی عقود الجمان ص۴۴ کے حوالہ سے تذکرہ محمدی میں اس طرح کے تعریفی کلمات لکھے ہیں: "مفسرین میں کسی نے اپنی تفسیر میں صحیح حدیثوں کے ہی وارد کرنے کا التزام نہیں کیا، بڑے بڑے اعلیٰ پایہ کے

مفسر منکر اور شاذ روایات اپنی تفسیر میں عمداً لاتے ہیں پھر اس قسم کے اسقام کی وضاحت بھی نہیں کرتے جس کی وجہ سے بسا اوقات پڑھنے والا غلط کو صحیح سمجھ بیٹھتا ہے۔ ہاں! البتہ تفسیر ابن کثیر اس کمی سے پاک ہے، تمام مفسرین میں صرف حافظ ابن کثیر ہی ایسے مفسر ہیں جنہوں نے اپنی تفسیر میں اس بات کا خیال رکھا ہے اور ساری تفسیر میں اسے نبھایا ہے، جس سے دیکھنے والے کے سامنے قرآن کریم کی صحیح تفسیر ثابت شدہ احادیث صحیحہ سے آجاتی ہے۔ علاوہ دیگر محاسن کے تفسیر ابن کثیر کی یہ خوبی ایسی عظیم ہے کہ جس کی وجہ سے روئے زمین کی تمام تفسیروں سے یہ تفسیر اعلیٰ، معتبر، مستند، مفید اور بلند پایہ تسلیم کی گئی ہے۔"

اردو تفسیر ابن کثیر کی زبان اتنی سلیس ستھری اور رواں ہے کہ ماہر ولائق قراء حضرات بھی اسے پڑھتے ہوئے کسی کتاب کا ترجمہ تصور نہ کرسکیں گے۔ فن تفسیر کی ایک اصل کتاب اور جدید تالیف کے روپ میں اس کو دیکھا جائے گا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ "بزم محمدی" بمبئی کے ذمہ داران نے جاذب نظر سر ورق کے ساتھ مزین اور دلکش بنا کر مع التزام صحت تفسیر محمدی نیز مولانا کی دوسری کتابوں کو زیور طباعت سے مزین کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ جہاں سے شائع شدہ محمدیات نے قارئین کے اندر اپنی پوزیشن بھی حاصل کرلی ہے، نیز ہزاروں کی تعداد میں شائع اور ساتھ ساتھ فروخت بھی ہوچکی ہیں، اس بزم محمدی کے پروپرائٹر مشہور فوڈ مرچنٹ جناب عبداللہ عثمان گاندھی تھے جو دراصل مولانا جوناگڑھی کے بھانجے تھے۔ آپ کا پتہ :

کرافٹ بمبئی نمالے ہے۔ آپ کی اتباع کرتے ہوئے بہت سے دوسرے اداروں نے بھی محمدیات کو طبع کرنے کا اقدام کیا ہے۔ مسرت کی بات یہ ہے کہ ان حضرات نے کراچی کے نور محمد کی طرح جعلی طریقہ سے نہیں بلکہ قانونی دائرہ کو ملحوظ خاطر رکھ کر یہ قدم اٹھایا ہے۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ۔

دنیا کی ہر زبان وادب کی اہم شاخ فن ترجمہ ہے، خوشی کی بات یہ ہے کہ اردو زبان کی اس شاخ میں مولانا محمد جوناگڑھی یدطولیٰ اور مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ اس میدان کے کامیاب شہسوار تھے، حالانکہ اردو آپ کی مادری زبان نہ تھی بلکہ کاٹھیاواڑ جوناگڑھ کی گجراتی زبان ہی آپ کی مادری زبان تھی، عجب ہے کہ غیر مادری زبان اردو میں مولانا نے صرف ترجمہ کا کام ہی نہیں کیا ہے بلکہ تصنیفی خدمت اور مذاکرۂ ادب کے ذریعہ اردو ادب کے ہر شعبہ میں آزادانہ دخل اندازی کی ہے یہ آپ کا معمولی کارنامہ نہیں ہے اس پہلو سے آپ منفرد شخصیت کے حامل خوش نصیب اور ہر فن مولیٰ آدمی تھے، علاوہ ازیں اس زمانہ کی اردو زبان ابتدائی مراحل میں تھی زیادہ ترقی یافتہ اور اعلیٰ درجہ کی نہ تھی، جدید ادبی طرز کے مطابق اس وقت اردو ادب قصہ، ناول نگاری، ڈرامہ، مزاحیہ مضمون اور انشاء وغیرہ ادبی شعبے میں صرف دھیرے دھیرے قدم رکھ کر رفتہ رفتہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو رہی تھی، پھر بھی اس غیر مادری زبان کو موصوف نے اس طرح اپنے قابو میں لیا تھا کہ ان کی تصنیفات کو پڑھ کر خیال ہوتا ہے کہ یہ موجودہ دور کی ترقی یافتہ

اردو ہے ، سلاست ، شگفتگی اور روانی کے اعتبار سے واقعی آپ کی زبان وادب پوری طرح اعلیٰ درجہ کی تھی ۔

اردو زبان وادب میں اتنی زبردست مشق وتمرین اور عبور رکھنے کے باوجود آپ اپنی مادری زبان کو کراہت یا حقارت کی نظر سے نہ دیکھتے تھے بلکہ مادری زبان کو دل سے پیار کرتے تھے ، آپ کی منجھلی بیوی جوناگڑھ کی تھیں ان سے اور ان سے ہونے والی اولاد اور وطن کے دوسرے لوگوں سے آپ گجراتی زبان ہی میں ہم کلام ہوتے مادری زبان اور جائے پیدائش کی فطری کشش اور دلی لگاؤ کی وجہ سے ہی آپ نے اپنے کو جوناگڑھ کی طرف منسوب کرکے جوناگڑھی لکھنا پسند فرمایا تھا ۔

پہلے ہی عرض کیا جاچکا ہے کہ تفسیر ابن کثیر کی اہمیت اور قدروقیمت کی طرف نظر رکھتے ہوئے مختلف زمانہ کے مختلف ماہرین نے اسے دوسری زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے ، اسی لئے راقم سطور نے بھی اس صحیح اور کامل ترین تفسیر کو بنگلہ زبان میں ترجمہ کرکے "توحید پریس" ڈھاکہ ، بنگلہ دیش سے شائع کیا ہے ۔ آج تک اس کی چار جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں ، اور باقی جلدیں زیر طباعت ہیں اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک سال کے اندر اس کی تمام کاپیاں فروخت ہوگئی ہیں ، اور غیر ملک سے اس کے جدید ایڈیشن کی گفتگو جاری ہے ۔

بعض دوسری کتابوں کے تراجم

مولانا جوناگڑھی نے ترجمہ کے میدان میں صرف ڈھائی ہزار صفحات میں

پھیلی ہوئی تفسیر ابن کثیر کے ترجمہ کرنے پر بس نہیں کیا بلکہ اس کے علاوہ مشہور و معروف محدث و ماہر علم امام محمد حیات کی تالیف "فتح الغفور فی وضع الایدی علی الصدور" نامی عربی کتاب کو اردو میں ترجمہ کر کے "سنت محمدی" کے نام سے شائع کیا۔ مولانا نے بذات خود ربیع الأول ۱۳۶۴ھ میں اسے پہلی بار شائع فرمایا تھا، نیز "برھان محمدی" کے نام سے قاضی القضاۃ معروف محدث و مفسر مفتیٔ اعظم علامہ شیخ تقی الدین سبکی کے رسالہ "جزء رفع الیدین" کا اردو ترجمہ کر کے شائع کیا تھا، جس کا چوتھا ایڈیشن دسمبر ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا تھا، اس میں صرف ان احادیث کو جمع کیا گیا ہے جس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نماز میں رکوع کے بعد رفع الیدین کرنا ضروری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاحین وفات، خلفاء راشدین، عشرۂ مبشرہ، تمام صحابہ کرام، محدثین عظام اور ائمہ ثلاثہ اسی سنت پر عمل کرتے رہے۔ لہذا یہی واجب العمل ہے، اور اس کو ترک کرنے سے سزا بھگتنا ہوگا۔

آپ کی کتاب سیرت محمدی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری اچھی طرح بیان کی گئی ہے، دراصل یہ کتاب امام ابوجعفر ابن جریر طبری (۲۲۴ - ۳۱۰ھ) کی خلاصۃ السیر کا سلیس اردو ترجمہ ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان، ازواج مطہرات اور اولاد اطہار وغیرہ کا مفصل تذکرہ ہے، چوتھی صدی کی ابتداء میں تصنیف کردہ اس عربی متن کو بھی اس اردو کتاب کے ساتھ طبع کر دیا گیا۔

"امام محمدی" آپ کا لافانی شاہکار ہے جو حقیقت میں محدث علامہ خطیب بغدادیؒ (متوفی ۴۶۲ھ) کی عربی کتاب کا ترجمہ ہے۔ یہ عربی کتاب خطیب بغدادیؒ کی مشہور عالم کتاب "تاریخ بغداد" کا ایک حصہ ہے، اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سوانح حیات اور ان کے بارے میں ان کے ہم عصر ائمہ ومجتہدین کے خیالات وآراء کا مفصل تذکرہ ہے، ہر بیان ادلۂ قاطعہ اور براہین ساطعہ سے مدلل ومبرہن ہے اور نہایت تفتیش وتحقیق کے بعد ہی ان کو شامل کتاب کیا گیا ہے، احادیث صحیحہ کے خلاف امام ابوحنیفہ نے جتنے فتاوے صادر فرمائے ہیں ان سب کی تردید کی گئی ہے، بلاشک اس میں اچھائی وبرائی اور خیر وشر ہر قسم کی صفتوں کا تذکرہ یکجا آگیا ہے، اصل عربی کتاب پانچویں صدی ہجری کی تالیف ہے۔

"فضائل محمدی" نامی کتاب بھی مصنف مذکور حافظ ابو بکر احمد الخطیب بغدادی کی قابل قدر تصنیف "شرف اصحاب الحدیث" کا اردو ترجمہ ہے، مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں اس کتاب کا قلمی نسخہ موجود تھا، حج بیت اللہ کے لئے وہاں پہونچ کر مولانا اس کی نقل ساتھ لے آئے تھے، پھر اس کا اردو ترجمہ کر کے مع عربی متن شائع فرمایا تھا، اس کتاب میں قبر پوجا اور شرک وبدعت کے خطرناک نتائج کا ذکر ہے، دینی معاملات میں قرآن وسنت کو ترک کر کے شخصی آراء اور قیاس کو ترجیح دینا کس قدر ناقابل معافی جرم ہوتا ہے، اس کا تذکرہ اور اس بارے میں تنبیہات کا ذکر کیا گیا ہے۔ علاوہ بریں حفظ حدیث اور مذاکرہ وممارست، علوم حدیث کی فضیلت، قرآن وحدیث میں

اہل الحدیث کی منزلت اور دور حاضر میں تحریک اہل الحدیث اور اس کی تشکیل جدید وغیرہ کے سلسلہ میں اس کے اندر مفصل تذکرہ ہے۔

"ایمان محمدی" نامی کتاب حضرت امام ابو بکر احمد البیہقی (۳۸۴-۴۵۸ھ) کی تصنیف "مختصر شعب الایمان" کا اردو ترجمہ ہے، احادیث صحیحہ میں ایمان کی ستہتر (۷۷) شاخوں کا ذکر ہے، ہر شاخ کی مفصل تشریح قرآن وسنت، سلف صالحین اور بزرگوں کے اقوال کی روشنی میں کی گئی ہے۔

امام ابو عبداللہ احمد بن حنبل (۱۶۴-۲۴۱ھ مطابق ۷۸۰-۸۵۵ء) کی عربی کتاب "کتاب السنۃ" یا "عقیدۂ اہل السنۃ" کا سلیس اور دلکش ترجمہ ہے، مولانا جوناگڑھی نے اس کا نام "عقائد محمدی" رکھا ہے، عقائد سے متعلق یہ کتاب بے نظیر ہے خود امام احمد بن حنبل اس کتاب کے شروع میں یوں تحریر فرماتے ہیں: "اس کتاب میں مذکور تمام عقائد میں سے کوئی عقیدہ اگر کسی کے اندر نہ پایا جائے تو اس کا ایمان باقی نہ رہے گا اور وہ اہل سنت والجماعت کا فرد مانا نہ جائے گا۔"

ترجمہ اعلام الموقعین

مجدد ملت حافظ ابن القیم الجوزی (۶۹۱ھ-۷۵۱ھ مطابق ۱۲۹۲ء-۱۳۵۰ء) رحمہ اللہ کی عظیم کتاب اعلام الموقعین عن رب العالمین کا اردو ترجمہ "دین محمدی" کے نام سے موسوم ہے، موٹی موٹی سات جلدوں میں یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہونچی ہے۔ اس کتاب کا مختصر نام

اگرچہ " دین محمدی " ہے مگر اس کا پورا نام " دلائل المحققین باحادیث سید المرسلین " ہے ، غالباً اس کے ترجمہ کا کام ۱۹۳۴ء میں شروع ہو کر ۱۹۳۸ء میں اختتام پذیر ہوا تھا۔ پہلے یہ کتاب اخبارِ محمدی کے صفحات پر منظرِ عام پر آئی تھی ، پھر سات حصوں میں جید برقی پریس دلی میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی اور پھر پندرہ روزہ اخبارِ محمدی کے دفتر سے شائع کی گئی ، اس کے آخری حصہ کا نام " فتاوی محمدی " ہے ، دربارِ رسالت میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے بارہ سو سوالات کئے اور آپ نے ان کے جوابات پیغمبرانہ شان سے حکیمانہ انداز میں دیئے ۔ فتاوی محمدی میں ان سوالوں اور جوابوں کا مفصل تذکرہ ہے ۔ لہٰذا اس کتاب کو پڑھتے وقت ہر قاری کو یہ تصور ہوگا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کی مجلس مبارک میں بیٹھا ہے ، بارہ سو سوالات اور ان کے جوابات کے سوا بہت سی ضروری اور اہم باتوں کا ذکر اس میں آگیا ہے ، جن کو اپنے علم میں لانا ہر مسلم مرد و عورت کے لئے ضروری ہے ۔ اس ترجمہ کو پڑھتے ہوئے یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ کسی کتاب کا ترجمہ ہے ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ دین محمدی کو اردو میں لکھ کر مولانا محمدؒ نے صرف دین کی خدمت ہی نہیں کی ہے بلکہ ملت اسلامیہ کا بہت بڑا کام انجام دیا ہے ۔ تقلید شخصی یا ائمہ کی بے دلیل اتباع ، دینی معاملات میں قرآن و حدیث کو چھوڑ کر اپنی رائے سے فیصلہ صادر کرنا ، رائے و قیاس کے زہریلے ثمر ۔ غیرہ کے سلسلہ میں نہایت عمدگی اور بصیرت کے ساتھ بحث کی ہے ، جو دوسری جگہ نایاب ہے ۔ ان سب موضوعات

کو زیر بحث لا کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مذکورہ چیزیں کبھی بھی شریعتِ اسلامیہ کے اندر داخل نہیں تھیں، اور نہ ہیں۔

۱۹۳۳ء کے آخری ایام میں آپ کے اس اردو ترجمہ کو پڑھ کر مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء - ۱۹۵۸ء) رحمۃ اللہ علیہ نہایت متأثر ہوئے، اور بڑی مسرت کا اظہار کیا، اور بلا تاخیر آپ نے سرور و خلوص قلب سے مولانا کے اس کام کا متعدد خطوط کے ذریعہ خیر مقدم کیا اور اور ساتھ ہی مبارکباد پیش کی۔ تہنیت کے کلمات سے لبریز وہ خطوط آج بھی دینِ محمدی کی چھٹی جلد کے آخر میں دیکھے جا سکتے ہیں، علاوہ ازیں ۱۹۷۲ء میں دوسری بار شائع شدہ "برہانِ محمدی" کے شروع میں مولانا آزاد کا دوسرا خط نظر آتا ہے۔ پہلا خط تو "سنتِ محمدی" کے شروع میں شائع ہوا ہے۔ ہم محترم قارئین کی دلچسپی کے لئے مولانا کے دوسرے خط کو یہاں نقل کرتے ہیں۔

"حبی فی اللہ! السلام علیکم!!

اعلام الموقعین کا ترجمہ دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی، مباحث فقہ و حدیث اور حکمت تشریع اسلامی میں متأخرین کی کوئی کتاب اس درجہ محققانہ اور نافع نہیں ہے، جس درجہ کی یہ کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ اس مفید خدمت دینی پر متوجہ ہوئے، میں ان تمام لوگوں کو جو مذہبی معلومات کا شوق رکھتے ہیں اور اصل عربی کتاب کا مطالعہ نہیں کر سکتے، مشورہ دوں گا کہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں، چونکہ اسلام کے اندرونی مذاہب و مشارب کی پیچیدگیوں سے عموماً مسلمان باخبر نہیں ہیں، اس لئے بسا اوقات ان کا مذہبی شغف

غلط راہوں میں ضائع ہو جاتا ہے، اس کتاب کا مطالعہ ان پر واضح کر دے گا کہ حکمت و دانش کی حقیقی راہ کن لوگوں کی راہ ہے؟ کتاب و سنت کی یا اصحاب جدل و خلاف کی؟

خود صاحب اعلام اپنے قصیدۂ نونیہ میں کیا خوب فرماتے ہیں:

العلم قال الله قال رسوله قال الصحابة هم اولوا العرفان
ما العلم نصبك للخلاف سفاهة بين الرسول وبين رأى فلان

(یعنی علم دین وہی ہے جو قرآن و حدیث میں ہے جو معرفت خداوندی میں ڈوبے ہوئے فیضان صحبت رسول کے فیض یافتہ صحابہ کرام کی زبان سے ظاہر ہوا ہے، کسی کی رائے کو سنت و حدیث سے ٹکرانا، رائے کے غلبہ کے لئے دلیل قائم کرنا اور جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے رائے کے جھنڈے خلاف حدیث بلند کرنے کا نام علم دین نہیں ہے)

ضرورت تھی کہ اس کتاب کا ترجمہ کتاب کی شکل میں شائع کیا جاتا، موجودہ صورت حال کا یہ نہایت افسوسناک منظر ہے کہ اس طرح کی قیمتی اور ضروری خدمات پر اہل خیر و استطاعت کو توجہ نہیں، مجھے امید ہے کہ بہت جلد ایسے حالات فراہم ہو جائیں گے کہ آپ اس کو شائع کر سکیں، یہ بھی آپ نے خوب کیا کہ حافظ عماد الدین ابن کثیر کی تفسیر کا ترجمہ شائع کر دیا، متاخرین کے ذخیرۂ تفسیر میں یہ سب سے بہتر تفسیر ہے، امید ہے کہ اصحاب خیر و استطاعت اس کام میں بھی آپ کے مساعد و مددگار رہوں گے۔

ابوالکلام کان اللہ لہ

کلکتہ ۱۶/۳/۳۶ء

میں نے پہلے ہی لکھا ہے کہ یہ خط مولانا جوناگڑھی کے نام مولانا آزادؒ کا دوسرا خط ہے، اس سے کچھ دنوں پہلے مولانا آزاد نے آپ کی ادبی خدمات پر مبارکباد دیتے ہوئے ایک اور تاریخی خط لکھا تھا جسے خوف طوالت سے ترک کر دیا گیا۔

دنیا کے اندر ناقابل فراموش کارنامہ کی حیثیت سے عربی خوان طبقہ کے لئے جس طرح شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (۶۶۱ھ/۱۲۶۳ء — ۷۲۸ھ/۱۳۲۸ء) کے لائق فخر شاگرد علامہ ابن القیم کی تصنیف ہے، ٹھیک اسی طرح اردو داں طبقہ کیلئے اس کتاب کا کامیاب اور سب سے عمدہ مولانا جوناگڑھی کے ترجمہ "دین محمدی" کی اہمیت، قدر و قیمت اور ضرورت کتنی زیادہ ہے اس کو پوری طرح سمجھنا شاید اب مشکل نہیں ہوگا، کیونکہ دونوں کتابوں کی فضیلت و اہمیت کے بارے میں مسلم تعلیم یافتہ دانشوروں کے لئے ہندوستان کے وزیر تعلیم کا یہ گرامی نامہ ایک عظیم شہادت ہے۔ اور اس کے بعد کسی قسم کا شبہ اس میں باقی نہیں رہنا چاہئے۔ اردو میں ترجمہ کے لئے اس عمدہ و افضل کتاب کا انتخاب حقیقی معنی میں ہر جانب سے کامیاب رہا، اور یہ مولانا کا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔

ازیں قبل مولانا آزاد رحمہ اللہ نے علامہ ابن القیم کی کتاب اعلام الموقعین کو اردو میں منتقل کرنے کا حکم اپنے قریب کے کچھ لوگوں کو دیا تھا وہ حضرات اس کی رغبت بھی رکھتے تھے، مگر اس عظیم و ضخیم کتاب کا ترجمہ کرنے کی وہ ہمت نہ کر سکے، چونکہ یہ فضیلت مولانا جوناگڑھی کے لئے مقدر تھی اس لئے دوسروں سے وہ کام نہ ہو سکا۔ البتہ جزوی طور پر مولانا آزاد کی ترغیب سے اعلام الموقعین کا ترجمہ

شائع ہوا تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ یہ کتاب اسلام کے بنیادی مباحث کو اجاگر کرنے، سمجھنے، خالص سنت نبویہ کو بروئے کار لانے، صحابہ کرام اور تابعین عظام کے لائق اتباع کردار کو اختیار کرنے میں جس قدر مشعل راہ بنے گی، اس دور کی لکھی ہوئی دوسری کتابوں سے یہ کام بہت کم ہی ممکن ہوگا۔

بعد کے پرفتن دور میں نوایجاد اور خود ساختہ دینی مسائل سے کنارہ کش ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے دور میں جو دینی فضا اور ماحول تھا اس کی آپ نے صحیح طور پر عکاسی اور تصویر کشی کی ہے، اور یہی آپ کی ندرت، کمال اور جدتِ عمل ہے۔

" دین محمدی " کے دیباچے میں خطیب الھند مرحوم نے " اعلام الموقعین " کے مؤلف کا تعارف ان لفظوں میں کرایا ہے۔ " علوم اسلامیہ کے بے پایاں میٹھے سمندر سے جس نے بھی ایک چلو پانی پی لیا وہ اس زمین کا مہتاب بن کر چمک اٹھا، لیکن جن خوش قسمت ہستیوں کو قدرت کے فیاض ہاتھوں نے اس آب کوثر کے چھلکتے ہوئے جام پر جام پلائے ان کی نورانیت نے تو اندھیروں کو اجالوں سے بدل دیا، ان بزرگ ہستیوں میں ایک ممتاز ہستی ہمارے حضرت امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے۔ آپ سنہ ۶۹۱ھ میں دنیا میں تشریف لائے، گو آپ کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے، لیکن جن کی روحانیت میں آپ رنگے ہوئے تھے وہ مجدد دین حضرت امام ابن تیمیہؒ تھے، دنیا کا وہ کون سا علمی دریا ہے جس میں ہمارے

ممدوح نے شناوری نہ کی ہو ؟ وہ کون سا علمی شعبہ ہے جس میں
آپ نے کمال حاصل نہ کیا ہو ؟ آپ نے جہاں علوم دینیہ میں اعلیٰ
مرتبہ حاصل کیا تھا وہیں عمل صالح میں بھی ید طولیٰ حاصل کئے ہوئے
تھے ، دن رات ذکراللہ اور تلاوت قرآن وحدیث اور تصنیف و
تالیف میں مشغول رہتے تھے ، بہت ہی منکسرالمزاج متواضع اور
مرنجاں مرنج تھے ، اخلاق حسنہ اور مخلوق کے ساتھ مروت میں اپنے
زمانے میں بے نظیر تھے ، زہد و ورع ، عبادت وریاضت میں آپ
کا ہمسر آپ کے زمانہ میں نہ تھا ، صبح کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد
نماز چاشت پڑھنے سے پہلے آپ مسجد سے کبھی نہ نکلے یہ پورا وقت ذکر
وفکر میں گذرتا ، فرماتے ہیں یہ تو گویا میری غذا ہے اسے اگر میں ترک
کردوں تو میری طاقت ختم ہو جائے ۔ آپ کے علمی شغف کا یہ حال
تھا کہ آپ کے برابر کتب خانہ اس وقت کسی کے پاس نہ تھا ،
آپ کی بہترین تصانیف آج تک محققین کے لئے شمع ہدایت کا کام
دیتی ہیں ، صحیح معنی میں دنیا کے پردے پر اگر فقہ وحدیث کی کتابیں
ہیں تو آپ ہی کی تصنیفات ہیں ، آپ کی تصانیف میں جو علمی جواہر
ریزے ہیں ، ان میں جو لاثانی تحقیق اور تدقیق ہے بلکہ ان میں جو
نورانیت اور روحانیت ، جو جذب اور کیف ہے ، بخدا اس کا بہت
کم حصہ دیگر مصنفین کو حاصل ہے ، ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ
آج ہر عالم ان کتابوں کا ایسا ہی محتاج ہے جیسے بھوکا کھانے کا ،
اور پیاسا پانی کا ، آپ برسوں تک اپنے استاد حضرت امام ابن تیمیہ رح
کی صحبت میں رہے ، آپ کے بزرگ استاذ رحمہ اللہ کے ساتھ اور ان

کے بعد آپ کے ہم عصر علماء سوء نے آپ کی سخت مخالفت کی اور بڑی بڑی مصیبتیں پہنچائیں لیکن یہ امام صاحب ہی کا دل گردہ تھا کہ پیشانی پر شکن تک نہ آنے دی اور حق مسائل کے پھیلانے میں دنیا کی دشمنی کی مطلقاً پرواہ نہ کی، حدیث و قرآن کی جو باریکیاں خدائے تعالیٰ نے آپ کو سجھائی تھیں آپ نے اس امانت خداوندی کے پہونچانے میں کبھی بخل اور بزدلی سے کام نہ لیا، حق تو یہ ہے کہ عشق حدیث نے آپ کو اس منزل میں پہنچا دیا تھا کہ سوائے اشاعت حدیث کے آپ کے دل میں اور کوئی دھن ہی نہ تھی۔ مالی نقصانات، آبروریزی یہاں تک کہ جسمانی اور جانی نقصانات کی کبھی آپ نے پرواہ نہ کی، دنیا آپ کے قدموں پر گری لیکن آپ نے ٹھکرا دیا، عزت جاہ و منصب اور مال و دولت آپ کے سامنے پیش ہوئے لیکن آپ نے کبھی اس پر نظر نہ ڈالی۔ مصیبتوں کے گھٹا ٹوپ بادل گھر گھر کر آئے لیکن آپ کی لازوال قوت ایمانی نے ان کا رخ ادھر سے ادھر پھیر دیا، سنت رسول اور حدیث کی اشاعت میں لوگوں کو اندھی تقلید کے پرخطر گڑھے سے نکالنے میں وہ وہ سختیاں سہیں کہ پتھر بھی ہوتا تو پانی ہو جاتا، لیکن کیا مجال کہ ہمارے ممدوح کا پیچھے نہ ہٹنے والا قدم ذرا سی دیر کے لئے کبھی رکا ہو، قید کئے گئے، رسوا کئے گئے، مصیبت میں گرفتار کئے گئے، آہ! اونٹ پر باندھ دیئے گئے، بازار میں گھمائے جاتے، کوڑے کھا رہے ہیں اور زبان پر حق جاری ہے، اس جرأت و ہمت کے انسان فلک نے کم دیکھے ہوں گے کہ حدیث پر عمل پیرا ہونے کے بعد ساری دنیا کی مخالفت

کی کوئی پرواہ نہیں کی، گو تنہا ہیں لیکن اشاعت حق ہیں کوہ ہمالیہ کی طرح اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں، ۲۳ رجب ۱۵۷ھ میں بہ عمر ساٹھ سال وفات پائی، "رحمہ اللہ و رضی عنہ" فقط محمد عفی عنہ۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ تاخیر سے ہی سہی مگر آپ کو جاننے اور آپ کی قدر و قیمت معلوم کرنے کی خواہش لوگوں کے دلوں میں بیدار ہوئی ہے۔ عرب دنیا کے علامہ رشید رضا، شیخ محمد ابو زید و عبدالعظیم شرف الدین وغیرہ غیر متعصب محقق علماء نے سلطان ابن سعود کی مالی امداد و اعانت سے بسیار کوشش کرکے ان کی کتابوں کو شائع کیا ہے، فاروق گنج لاہور کے ہلال بک ایجنسی نے بھی اپنی کوشش سے بہت سی کتابوں کو زیورِ طباعت سے آراستہ کیا ہے، لاہور میں قیام کے دوران میں نے بھی ہلال بک ایجنسی سے تقریباً تمام کتابوں کو خریدا، کلکتہ کے عصر جدید پرچہ کے ایڈیٹر مشہور اردو ادیب عبدالرزاق ملیح آبادی نے ابن القیمؒ کی جن کتابوں کو اردو میں منتقل کیا ہے ان میں سے کچھ تو کلکتہ سے اور کچھ ہلال بک ایجنسی لاہور سے شائع ہوئیں۔ بنگلہ زبان میں غالباً ہفتہ وار "عرفات" کے ایڈیٹر اور متعدد کتابوں کے مصنف جناب عبدالرحمن بی، اے، بی، ٹی، نے اس طرف پیش قدمی کی ہے، انھوں نے "ہمارے نبی اور آپ کے آدرش" کے نام سے "زاد المعاد لابن القیم" کی تلخیص اور ترجمہ کرکے پہلی جلد شائع کی ہے، یہ کتاب اگر پایۂ تکمیل کو پہونچی تو بنگلہ ادب میں

ایک انمول باب کا اضافہ ہوتا۔

اس سلسلہ میں اردو زبان کے اندر غالباً مولانا جونا گڑھی کی خدمت ہی ہے، انہوں نے تن تنہا اس عظیم کتاب کو سات ضخیم جلدوں میں ترجمہ کر کے شائع فرمایا ہے، یہ خدمت اس لئے بھی قابل ذکر ہے کہ اس کتاب میں اصول اسلام پر وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، اور تقلید شخصی کی بیخ کنی کی گئی ہے، علاوہ ازیں اس میں ایسے مباحث بھی آ گئے ہیں جو اس سے قبل زیر بحث نہیں آئے تھے، اور ان کے نکات اور باریکیوں پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے کہ اس سے پہلے ہماری نظروں سے اوجھل تھیں۔

خطباتِ محمدی

یہ تو مولانا جونا گڑھی کی کتاب "دین محمدی" کی بات تھی، اب ہم آپ کی معروف کتاب "خطبات محمدی" سے متعلق کچھ عرض کریں گے، زیر تبصرہ کتاب کو ہم مترجم کتابوں کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں، اور مترجم کتاب کہنا اس لئے انسب ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری حیات مبارکہ میں مختلف دینی مجالس ومجامع کو خطاب فرماتے ہوئے اپنی شیریں زبان میں جتنے خطبے دیئے ہیں ان سب کو متفرق عربی کتابوں کے صفحات سے نہایت ہی محنت اور جانفشانی کے ساتھ یکجا کر دیا ہے، پھر انہی نصوص کا ترجمہ کیا ہے، اس پہلو سے یہ مترجم کتاب ہے، البتہ جمع وانتخاب اور تبصرہ واستنباط کے لحاظ سے یہ ایک مستقل کتاب ہے۔

جمعہ کے خطبے تقریباً ہر زمانہ میں یہاں تک کہ موجودہ مادی فلسفہ

اور شبہات وشکوک کے دور میں بھی ملت اسلامیہ کے اندر بلاخلاف مسلّم ہیں ، ماضی بعید میں بھی ان خطبوں نے مسلمانوں کی زندگی کے جملہ شعبوں میں مشعل راہ کا کام دیا ہے۔ پورے ہفتہ میں مشاغل زندگی کے دوران دلوں پر جو زنگ طاری ہوجاتا ہے ان آلائشوں کو زائل کرکے جمعہ کے خطبے ہمارے دلوں کو صاف شفاف کردیتے ہیں ، نیز آنے والے دنوں میں دینی کام کرنے کے لئے دلوں کو چست اور طاقتور بنا دیتے ہیں۔

زمانۂ ماضی میں مختلف مواقع پر ان خطبوں سے زندگی کے ہر شعبہ میں انسان نے اپنے لئے خاص تسلّی، تعلیم اور ہمت حاصل کی ہے، اور اسی طرح ان کے نقوش تقدس کا مجسمہ بن گئے ہیں نیز ان کی زندگی کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہے۔

مگر جب ملت اسلامیہ اور دین حنیف کے اتحاد میں شگاف لاحق ہوتا ہے اور شوکت اسلام روبہ زوال ہوتی ہے تو چاروں طرف تاریکی چھا جاتی ہے ، اس وقت یہ امت مسلمہ اللہ کی لافانی رحمت وبرکت سے محروم ہوکر مسلسل ناکامی وگمراہی کا شکار ہوجاتی ہے ، چونکہ یہ خطبے عربی زبان میں ہیں اس لئے ان سے بسا اوقات غیر عرب سامعین استفادہ نہیں کرسکتے ، نہ ہی ان کے جذبات میں کوئی تحریک پیدا ہوسکتی ہے ، اس کی مثال تو ایسی ہوگی جیسے کسی قبرستان کے اندر یا کسی سوئی ہوئی بستی میں یہ خطبے دیئے جارہے ہیں جہاں کے سامعین یا تو مردہ ہیں یا حالت خواب میں۔

امت مسلمہ کی اس حالت زار کو سوچ کر برصغیر کے شعلہ بیان خطیب

مولانا محمد جوناگڑھی نہایت افسردہ خاطر ہوئے، انہوں نے اس کے ازالہ کے لئے عزم مصمم کے ساتھ پوری دنیا کے افضل و اعظم خطیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گیارہ سو خطبے اپنی زندگی کے مختلف مراحل میں پیش فرمائے تھے ان کو نہایت ہی قابلیت کے ساتھ متعدد احادیث سے انتخاب فرما کر موٹی موٹی سات جلدوں میں شائع فرمایا۔ بایں طور یہ آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔ اس میں مسلسل ارقام کے ساتھ تقریباً پانچ سو عناوین مع فہرست و مختلف فصلوں و پیراگرافوں کے انسانی زندگی میں پیش آمدہ روزمرہ مسائل و عوائق کا کامیاب حل بزبان سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح مولانا کی مدتوں کی محنت اور پیہم کوشش سے یہ ایک بے مثال کتاب بن گئی ہے، جسے دل لگا کر پڑھتے ہی ہر قاری کا ایمان و عقیدہ خوف الٰہی سے لبریز ہو جاتا ہے، اور فکر میں انقلاب رونما ہو جاتا ہے، خلوص و محبت کے ساتھ اس کو پڑھنے سے انسان دنیا سے بے رغبت، سنت رسول کا شیدائی، روزمرہ زندگی کے معاملات جیسے لین دین وغیرہ میں حق گوئی و حق دوستی جیسی عظیم صفتوں سے متصف ہو جاتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب کی اصلی عبارت یعنی عربی متن تو تبصرہ سے بالاتر ہے، مگر اس کے ترجمہ کی زبان اردو اس قدر سلیس، دلکش اور روانی سے پُر ہے کہ قارئین اسے پڑھتے ہوئے اثر لئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

پہلے ہی ذکر کیا گیا ہے کہ مولانا خود ایک بے مثال شعلہ بیان

خطیب و مقرر تھے، اللہ جل شانہ نے اپنے بے پایاں رحم و کرم سے خطابت کے جملہ اوصاف مولانا مرحوم کو عطا فرمائے تھے، نہایت سخت و بے رحم سامعین بھی آپ کی جادو بیانی سے آنسو بہائے بغیر رہ نہ سکتے تھے۔

مولانا اپنی زندگی میں جس طرح ایک باا ثر اور جادو بیان خطیب کی حیثیت سے بے انتہا شہرت کے مالک تھے ٹھیک اسی طرح معاصر علماء کو بھی ماہر مقرر و خطیب بنانا چاہتے تھے، دل کی یہ پنہاں آرزو کارآمد ثابت ہوئی، مولانا نے اس مقصد کے خاطر سات ضخیم جلدوں میں خطبات محمدی کے نام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبوں کو منتخب فرمایا۔ آپ کی یہ آخری تالیف تھی، اس کتاب نے اس قدر مقبولیت حاصل کی کہ آپ کی زندگی ہی میں مدت قلیل کے اندر پہلے ایڈیشن کی ساری کاپیاں آناً فاناً ختم ہو گئی تھیں۔ ۱۹۴۱ء میں مولانا کے انتقال کے بعد دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۳ء میں کراچی محمدی روڈ میں واقع شمع اسلام و مکتبہ شعیب سے شائع ہوا تھا، بعد کی اشاعتیں ادارہ " بزم محمدی " بمبئی سے نہایت دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ عمل میں آئیں، اس ادارہ کے اصل بانی و سرپرست وہاں کے فوڈ مرچینٹ عبداللہ عثمان گاندھی ہیں، بمبئی کے ایڈیشنوں میں مولانا جوناگڑھی کی مختصر سوانح عمری آپ کی مصنفات کا تذکرہ جس کو مولانا قمرالدین نے لکھا ہے، شامل کر دیا گیا ہے۔ خطبات محمدی کے ساتھ ساتھ مولانا جوناگڑھی کی دوسری تصنیفات کو عمدہ طباعت سے آراستہ کرنے کا بار بھی اپنے کندھے پر اٹھا لیا تھا۔

اس خطبات محمدی کا حالیہ ایڈیشن الدار السلفیہ بمبئی کی عنایت واعانت سے عمل میں آیا ہے، اس ایڈیشن میں مولانا مختار احمد ندوی امیر مرکزی جمعیت اہل الحدیث ہند کا ایک معلومات افزا مقدمہ شامل اشاعت ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بلا شک وشبہہ خطبات محمدی ایک اہم اور روزانہ کام آنے والی بے نظیر کتاب ہے۔ اس کی ہر جلد کے موضوعات ومضامین کی فہرست دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک مختصر اسلامی انسائکلوپیڈیا ہے۔

اب تک ہم نے تقریباً مولانا کی بارہ کتابوں کا تذکرہ مفصل طور پر کیا ہے، اب ذیل میں مولانا کی دیگر تصنیفات کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

کتابوں کے نام:	اشاعت اور سن:	تعداد صفحات:	تبصرہ:
"درایت محمدی"	اول ۱۹۲۷ء	۱۰۶	ہدایہ پر تبصرہ
"زکوٰۃ محمدی"	سوم ۱۹۲۷ء	۱۶	مولانا منتصر رحمانی نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔
"ہدایت محمدی"	سوم ۱۹۲۸ء	۲۰	ہدایہ پر تبصرہ در تبصرہ۔
"برأت محمدی"	سوم ۱۹۳۱ء	۱۲	(مقدمہ کو چھوڑ کر) خواجہ حسن نظامی کی تردید میں ہے۔

کتابوں کے نام :	اشاعت اور سن :	تعداد صفحات :	تبصرہ :
"انعام محمدی"	نہم ۱۹۳۱ء	۸	(مقدمہ کے علاوہ) فلسفۂ عید و مسائل سے متعلق ۔
"اذان محمدی"	دوم ۱۹۳۱ء	۸	(مقدمہ کے علاوہ) سحری کے وقت اذان کے بارے میں ۔
"مرحمت محمدی"	دوم ۱۹۳۴ء	۱۰۰	بالجبر فعل گناہ کے بارے میں ۔
"مملکت محمدی"	دوم ۱۹۳۴ء	۱۲	ملک ابن سعود کی تائید میں ۔
"تعویذ محمدی"	اول ۱۹۳۴ء	۲۰	(مقدمہ کے علاوہ) مولوی احمد علی بریلوی کی تردید میں ۔
"جماعت محمدی"	دوم ۱۹۳۵ء	۳۳	(مقدمہ کو چھوڑ کر) عورتوں کی جماعت عید و جمعہ میں شرکت کے بیان میں ۔
"فرمان محمدی"	سوم ۱۹۳۵ء	۱۲	(مقدمہ کو چھوڑ کر) زیارۃ القبور کا مسنون طریقہ ۔
"سراج محمدی"	اول ۱۹۳۶ء	۶۰	مجلہ "فقیہ" امرتسر کی تردید ۔
"مشکوٰۃ محمدی"	اول ۱۹۳۶ء	۱۴۸	شرک و بدعت اور دیگر خراب رسموں کی تردید ۔
"شمع محمدی"	سوم ۱۹۳۷ء	۱۴۴	مخالف حدیث فقہی مسائل ۔
"تحفہ محمدی"	سوم ۱۹۳۷ء	۱۲	(مقدمہ کے علاوہ) عید قرباں اور اس کی شرعی حیثیت ۔
"ارشاد محمدی"	اول ۱۹۳۷ء	۸۴	مولانا تھانوی کے الاقتصاد کی تردید ۔

کتابوں کے نام:	اشاعت اور سن:	تعداد صفحات:	تبصرہ:
"مقالۂ محمدی"	اول ۱۹۳۷ء	۱۶	دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے سترہویں سالانہ اجلاس میں بحیثیت صدر خطاب۔
"نور محمدی"	اول ۱۹۳۸ء	۱۰۰	قوالی و دیگر باجہ گاجہ کی تردید۔
"نکاح محمدی"	اول ۱۹۳۸ء	۱۰۰	غائب شدہ شوہر کی بیوی کے نکاح اور مجلس واحد میں طلاق ثلاثہ کے بارے میں۔
"ملت محمدی"	اول ۱۹۳۸ء	۲۸	ایک مقلد عالم کی ایک کتاب کی تردید۔
"اربعین محمدی"	دوم ۱۹۳۸ء	۲۰	چالیس احادیث نبوی کے حفظ اور اس کی فضیلت سے متعلق۔
"صیام محمدی"	چہارم ۱۹۳۸ء	۲۰	رمضان میں تراویح، شب قدر و اعتکاف وغیرہ کا مسئلہ۔
"نماز محمدی"	اول ۱۹۳۸ء	۲۴	اپنے گھر یا سفر میں نماز کے احکام۔
"حج محمدی"	دوم ۱۹۳۸ء	۸	حج و عمرہ وغیرہ کا بیان۔
"نصیحت محمدی"	دوم ۱۹۳۸ء	۲۴	اندور سے شائع ہونیوالا پرچہ "محرم الحرام" کی تردید۔
"سلام محمدی"	اول ۱۹۳۹ء	۱۲	جنوبی بھارت کے صوفی ابوالخیر احمد علی کا دنداں شکن جواب۔

کتابوں کے نام	اشاعت اور سن	تعداد صفحات	تبصرہ
"ریحان محمدی"	ششم ۱۹۳۹ء	۸	کربلا اور تعزیہ کی شرعی حیثیت۔
"ذمۂ محمدی"	اول ۱۹۴۰ء	۸۸	شرک و بدعت کے خلاف شیخ عبدالقادر جیلانی کے ملفوظات۔
"غنیۂ محمدی"	اول ۱۹۴۰ء	۴۴	ذمۂ محمدی کا دوسرا حصہ۔
"توحید محمدی"	چہارم ۱۹۴۰ء	۳۶	مکہ کی قبروں کو پکی بنانے کی تردید۔
"ثوبان محمدی"	دوم ۱۹۴۰ء	۱۶	فاتحہ خوانی، نذر و نیاز اور پیر و مرشد کی قبروں پر چادر وغیرہ چڑھانے سے متعلق۔
"صراط محمدی"	دوم ۱۹۴۰ء	۱۶	کربلا و تعزیہ کی حقیقت۔
"لؤلؤ محمدی"	اول ۱۹۴۰ء	۱۲	محمد نام رکھنے کے جواز سے متعلق۔
"صمصام محمدی"	اول ۱۹۴۰ء	۲۴	توحید کے اثبات اور شرک کی تردید۔
"تائید محمدی"	دوم ۱۹۴۰ء	۲۳	تقلید شخصی کے بارے میں ۱۵۰ سوالوں کا مجموعہ۔
"ضرب محمدی"	سوم "	۸	
"آئینۂ محمدی"	چہارم ۱۹۴۵ء	۲۰	امت مسلمہ کی پوشاک شکل و صورت وغیرہ کا بیان۔
"عقائد محمدی"	اول ۱۹۴۵ء	۱۲	یہ ایک عربی کتاب کا ترجمہ ہے جسمیں عقائد کا بیان ہے۔

کتابوں کے نام :	اشاعت اور سن :	تعداد صفحات :	تبصرہ :
"سنت محمدی"	سوم ۱۹۴۵ء	۸	یہ ایک عربی رسالہ کا ترجمہ ہے جس میں سینے پر ہاتھ باندھنے کے بارے میں مفصل تذکرہ ہے۔
"دلائل محمدی"	ششم ۱۹۴۵ء	۱۶	کئی جزو میں شائع شدہ اس کتاب میں نمازیوں کو مسجد سے نہ نکالنے کا بیان۔
"عقیدہ محمدی"	گیارہواں ۱۹۴۵ء	۱۴	دوسرے کتابچوں کے ساتھ یہ انگریزی میں مترجم ہے۔
"صلوٰۃ محمدی"	نہم ۱۹۴۶ء	۳۲	یہ بنگلہ میں مترجم ہے اور شائع بھی ہوئی ہے۔
"معراج محمدی"	سوم ۱۹۴۶ء	۱۲	معراج جسمانی تھی یا روحانی، اس سوال کے جواب کے علاوہ اس میں ہونیوالی بدعتوں کا بیان۔
"درود محمدی"	دوم ۱۹۵۰ء	۴۸	سالانہ عرس، چہلم اور دوسری شرک وبدعت کا ناقابل تردید بیان۔
"میلاد محمدی"	ششم ۱۹۵۰ء	۲۸	قرآن وحدیث اور فقہ سے مروجہ میلاد کی تردید۔
"حیات محمدی"	ہفتم ۱۹۵۰ء	۲۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہ تھے، اسی کا بیان۔

کتابوں کے نام:	اشاعت اور سن:	تعدادِ صفحات:	تبصرہ:
"در محمدی"	پنجم ۱۹۷۰ء	۱۶	فرقہ بندی اور مذہب سے متعلق بہت سے سوالوں کا جواب۔
"طریق محمدی"	۱۹۷۲ء	۲۰	تقلید شخصی کے مضر رساں اثرات کا بیان۔

علاوہ ازیں موصوف کی دیگر مصنفات کا صرف نام ذیل میں لکھ دیا جاتا ہے، وہ اس طرح ہیں:

"حقوق محمدی" "رکوع محمدی" "شہادت محمدی"
"صدائے محمدی" "ظفر محمدی" "ظل محمدی"
"عصائے محمدی" "عید محمدی" "پیغام محمدی"
"فتوی محمدی" "قبیلۂ محمدی" "گلدستۂ محمدی"
"قربانی محمدی" "اشعار محمدی" "مساجد محمدی"
"وضوء محمدی" "وظیفۂ محمدی" "انصار محمدی"
"مولود محمدی" "حرمت محمدی" "فتح محمدی"
"فیصلۂ محمدی" "حقیقت محمدی" "امامت محمدی"
وغیرہ۔

وفات پہلے ہی لکھا گیا ہے کہ علامہ محمد جوناگڑھی کی بہن کا نام عائشہ تھا جن کی شادی عثمان گاندھی سے ہوئی تھی،

ان سے چار اولاد تھیں، جن کے اسماء علی الترتیب عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالمنان و عبدالحنان ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ۱۹۴۱ء کے شروع میں مولانا محمد جوناگڑھی کے پدر محترم جناب ابراہیم صاحب اور آپ کی بہن عائشہ کا چند ایام کی تقدیم تاخیر کے ساتھ جوناگڑھ میں انتقال ہوگیا تھا، اچانک والد اور بہن کی موت کی خبر سے آپ نہایت ہی سوگوار و مجروح ہو گئے تھے، اور دہلی میں آپ کا جی نہ لگ رہا تھا اس لئے بلا تاخیر جوناگڑھ روانہ ہوئے، روانگی کے وقت پندرہ روزہ "اخبار محمدی" کی تمام ذمہ داری اپنے شاگرد عزیز مولانا سید تقریظ احمد کو سونپ دی۔

ادھر جوناگڑھ پہونچ کر مرحومین کی قبروں کی زیارت اور ان کی اخروی فلاح و کامرانی کے لئے دعاء خیر، صدقہ و خیرات کرنے کے بعد بھی مولانا دہلی واپس تشریف نہ لائے، ایک زیر تعمیر عمارت کے باقی ماندہ کاموں کو مکمل کرنے کے ارادہ سے جوناگڑھ میں تقریباً دو ماہ مقیم رہ گئے۔ یہ عمارت دراصل مولانا کو بطور وراثت حاصل ہوئی تھی جب اس کا تمام کام یہاں تک کہ سفیدی وغیرہ کا کام بھی ختم ہوگیا تو مولانا نے قرب و جوار کے احباب و اقارب اور غرباء و فقراء کو دعوت طعام دی اور سب کو کھانا کھلایا۔

اس موقعہ پر مولانا نے اپنی تین لڑکیوں کو بھی مع ان کے شوہروں کے مدعو کیا، لڑکیوں کے اسماء، مریم، فاطمہ اور زینب ہیں، اور ان کے شوہروں کے نام علی الترتیب عبدالقدیر میمن، عبدالقدیر حلائی اور عبدالحنان روئی والا ہیں۔ منجھلے داماد عبدالقدیر حلائی تقسیم ملک کے

وقت جوناگڑھ سے ہجرت کر کے نرائن گنج بنگلہ دیش میں آکر مقیم ہو گئے تھے، یہاں آکر انہوں نے قرب وجوار میں متعدد مساجد اور دیگر ادارے قائم کئے، مگر شومیٔ قسمت کہ آپ یہاں تا دیر قیام پذیر نہ رہ سکے۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں آزادی بنگلہ دیش کے دوران آپ کی فیملی کے اکثر ممبران موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور آپ بھی یہاں سے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے، پھر بھی آپ اپنے وطن مالوف جوناگڑھ واپس نہ جا سکے بلکہ کراچی میں جا کر پناہ گزیں ہوئے، اس لئے آزادی کے بعد ان سے میری ملاقات نہیں ہے۔

جو بھی ہو اس پُرعظمت دعوت کے دن مولانا کی جدید عمارت کے صحن میں اقربا، واصدقاء کے مابین تفریح کی مجلس جم گئی تھی، جس کے بعد مولانا نے بھوک کی حالت میں گھر میں داخل ہوتے ہوئے اپنی بیٹیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا، تم لوگوں نے کیا کیا پکایا ہے؟ عادت کے خلاف آج بڑی بھوک لگی ہے۔ لڑکیوں نے ادب آمیز لہجے میں جواب دیا کہ آج ہم نے متنوع اقسام کے کھانے پکائے ہیں، آپ کا جی جو چاہے آپ تناول فرمائیں۔

ہنگامۂ طعام ختم ہوتے ہوتے عشاء کا وقت ہو گیا، اس لئے مولانا نے اپنے تینوں داماد اور بہنوئی عثمان گاندھی سے کہا کہ تم لوگ جلد کھانے سے فارغ ہو کر مسجد پہونچو اور اذان کے بعد میرا انتظار کرو میں ابھی وضو کر کے آتا ہوں، یہ کپڑے میں اسی وقت بدلوں گا مجھے سفید اور صاف کپڑے دو۔

اتنے میں آپ کی قوت قیام مفلوج اور آپ کی شمع حیات بے نور

ہو گئی ، مولانا نے اپنے سامنے موجود لڑکیوں سے فرمایا کہ بلا تاخیر جائے نماز بچھاؤ ، اس طرح جلدی جلدی عشاء کی نماز کی ادائیگی کے بعد نہایت ہی کمزور آواز میں فرمایا، تم لوگ میرے پاس سورہ یٰسین کی تلاوت کرو ۔ کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت کی تلقین کرو ، فلاں فلاں شیشیوں میں محفوظ شہد اور آب زمزم پلاؤ ، میرا وقتِ خاتمہ قریب ہے ، مجھ سے اگر تمہاری کوئی شکایت ہو تو کھلے دل سے معاف کر دو اور ٹیلی فون کے ذریعہ دہلی میں مقیم سارے گھر والوں سے معاف کرنے کے لئے کہو ، اگر میرے ذمہ کسی کا قرضہ ہو تو جلد کہو میں ابھی ادا کرنے کا انتظام کروں گا ۔

مجھے لگتا ہے کہ میں زیادہ سے زیادہ ۱۱ بجے شب تک زندہ رہونگا نئی سڑک گھنٹہ گھر کے الحاج صالح کے پاس میری بیویوں اور بچوں کے معاش کے لئے سولہ ۱۶، سترہ ۱۷ ہزار روپئے بطور امانت جمع ہیں۔ پندرہ روزہ " اخبار محمدی " کی تمام ذمہ داری میرے شاگرد عزیز مولانا سید تقریظ احمد سنبھالیں گے ، میں اپنے والد مرحوم کے قبر کی زیارت کرنے کے لئے آیا تھا اب مجھے بھی اسی قبر کے پاس ابدی نیند سوکر رہنا پڑے گا ۔ مگر ہاں ! میری مردہ لاش کو دفن کرنے میں ایک منٹ بھی تاخیر نہ کی جائے ۔ دلی شہر میں بلا تاخیر میاں صاحب ، حاجی شیخ عبدالرحمٰن صاحب اور میرے گھر والوں کو خصوصی طور پر ٹیلی گرام کر دیا جائے ۔

ان سب وصیتوں کے بعد اچانک آپ کی حرکت قلب رک گئی آپ کا محو سخن روئے مبارک بے حس ہو گیا ، پورا جسم ٹھنڈا اور بے حرکت

ہو گیا، بہتوں نے تصور کیا کہ آپ کچھ دیر کے لئے آرام فرما رہے ہیں، مگر یہ آرام نہ تھا بلکہ یہ ابدی سکون تھا، کچھ دیر کے بعد لوگوں کو معلوم ہو سکا کہ آپ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے ہیں۔ اس طرح یہ قامع شرک و بدعت، ہادی ملت اور دین و اسلام کا یہ چاق وچوبند پاسبان سبھوں کو سوگوار چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گیا، فإنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔

جمعہ کی رات گیارہ بجے آپ نے آخری سانس چھوڑا، اس کے پہلے والے جمعہ کو جوناگڑھ کی جامع مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے مولانا نے اپنی سلیس زبان اور پرتاثیر لہجے میں موت اور یتیم کے بارے میں فرمایا تھا کہ آج میں آپ کے سامنے بعافیت زندہ ہوں، ممکن ہے آئندہ جمعہ کو نہ رہوں۔ پوری دنیا میں عموماً اور مسلم معاشرہ میں خصوصاً یتامی اور بیواؤں کی تعداد کس قدر زیادہ ہے، خدارا آپ ان کا خیال رکھیں ان کے رونے اور بلکنے سے آسمان بھی پھٹ جاتا ہے، آئندہ جمعہ کو میری بیویاں بیوہ اور اولاد یتیم ہو سکتی ہیں۔

بعد کے جمعہ میں واقعتاً آپ کی بات سچی ثابت ہوئی اور آپ کی ازواج و اولاد یتیم ہو گئیں، اس طرح آپ کا خیال اور فکر وگمان حقیقت سے بدل گیا، آپ کی وصیت کے مطابق دھلی میں فرداً فرداً سب کو ٹیلی گرام کر دیا گیا تھا، جمعہ کی نماز کے بعد جب یہ تکلیف دہ خبر لے کر ٹیلی گرام پہونچا تو دھلی میں ہر جگہ ماتم کی ایک لہر دوڑ گئی، سارے لوگوں نے نیم بیہوشی کے عالم میں اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ شروع کر دی، اسی دوران ہر جگہ نماز جنازہ غائبانہ ادا

کی گئی ، دہلی اجمیری گیٹ کی جامع مسجد میں نماز ادا کرنے والی عورتیں سب سے زیادہ سوگوار تھیں اور بعض بعض تو اس غم اور اندوہ کی تاب نہ لاکر بیہوش ہو گئی تھیں ، کیونکہ یہ زیادہ سے زیادہ مولانا کی وعظ و نصیحت سے مستفید ہوتی تھیں اور مولانا کی بلند شخصیت ان کے دل میں گھر کر چکی تھی ۔

حافظ حمید اللہ صاحب اپنی فیملی کے ساتھ مع کھانے کی اشیاء کے پیدل مولانا مرحوم کے گھر پہونچے تاکہ سوگوار کنبہ کو صبر کی تلقین کریں تسلی دلائیں اور ان کو کھانا کھلائیں ، دوسروں نے بھی ان کی اتباع کی ، سب کی خاموش آہ و بکا نے دلی ، جوناگڑھ اور دیگر شہروں کو ماتم کدہ میں بدل دیا تھا ، اس وقت کے اخبار و جرائد کے ذریعہ آپ کے موت کی خبر آگ کی طرح پھیل گئی تھی ، بہت سے شعراء اور قلم کاروں نے اردو اور عربی میں مراثی اور تعزیتی مضامین لکھے ۔

اس سلسلہ میں عالم جلیل حضرت مولانا خلیل بن محمد یمنی صاحب نزیل بھوپال کا مرثیہ قابل ذکر ہے ، لکھتے ہیں :

انما الناس یفخرون بمال لرجال الغنی بهم افتخار

لوگ تو مال پر فخر کرتے ہیں ، لیکن مالداروں کو اپنے علماء پر فخر ہے ۔

وثراء وبهجة سفر علم ان خیر الغنی لنا الاسفار

طالب علم اور عالم کے لئے کتاب بڑی دولت اور سامان مسرت ہے ۔

اقتدوا فی الاعمال دینا ودنیا　خاتم الرسل من هو المختار

دینی اور دنیوی امور میں خاتم النبیین برگزیدہ اور منتخب نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو۔

اطلبوا العلم واقنعوا بزهید　بعفاف خیر الطعام القفار

طلب علم میں روکھی روٹی پر قناعت کرتے ہوئے سرگرم عمل رہو اس لئے کہ عفت کے ساتھ سوکھی روٹی بہترین غذا ہے۔

واعلموا ان رزقتم العلم فضلا　فهو العز والعلی والیسار

یہ سمجھ لو کہ اگر تمہیں خدا نے اپنے فضل سے علم نصیب کر دیا تو وہ تمہارے لئے بڑی عزت بڑا رتبہ اور بڑا مال ہے۔

ذاکم الرازی الفقیر ملیك　خدمته الملوك والاخیار

فقیر رازی درحقیقت بادشاہ تھے اس لئے کہ بادشاہ و علماء نے فخریہ ان کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔

خطب قد محت عن القلب رینا　وبها قد تنورالأبصار

آپ کے (یعنی مولانا محمد جونا گڑھی کے) خطبے دلوں سے زنگ مٹاتے تھے اور اس سے آنکھیں روشن و بینا ہوا کرتی تھیں۔

ترجم الضخم من تآلیف سلف　بتآلیفه اهتدی الجبار

آپ نے بڑی بڑی تالیفات کا ترجمہ کیا، آپ کی تصنیفات سے سرکش بھی راہ راست پر آگئے۔

لك من ربنا رضا وجنات　جرت تحت غرفها الانهار

مولانا محمد! آپ کو پروردگار عالم کی رضا اور جنت کے بالاخانے ملیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔

فاعزی اولادہ ثم اوصیہم فان الوصیۃ استن کار

ان کی اولاد کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں اور وصیت بھی پیش کرتا ہوں کہ وصیت اچھی یادگار ہوتی ہے۔

ھل رأیتم مشی اناس بطود ھل رأیتم خشبا علیھا بحار

لوگو! تم نے کبھی آدمیوں کو پہاڑ اٹھا کر چلتے دیکھا ہے۔ لوگو! تم نے کبھی لکڑیوں پر دریاؤں کو بہتے دیکھا ہے۔

ای فضل ھلتم علیہ ترابا ای حبر أحاطہ الاحجار

لوگو! کس علم وفضل کو تم نے مٹی میں چھپا دیا، لوگو! وہ کون سا فاضل تھا جسے سنگ وخاک نے اپنے دامن میں چھپا لیا۔

ذاک للملۃ الحنفیۃ قد کا ن ملاذا وللصلاح منار

یہ وہی تو تھا جو دین حنیف کا ماوی وملجا تھا اور پرہیزگاری و تقویٰ کا منارہ تھا۔

قلم ھزّ کالقناۃ لمن کا د حنیفۃ ولسن نار

یہ وہی ہے کہ جس نے بھی تیر ستم دین حنیف پر سیدھا کیا اس کے لئے اس کا قلم نیزہ کا اور زبان آگ کا کام دیتی تھی۔

عظماء الزمان اضحوا رفاتا لیس للبعض منھم تذکار

دنیا کی بڑی بڑی عظیم ہستیاں سڑگل کر ریزہ ریزہ ہوگئیں حتی کہ ان میں سے بعض تو یاد سے بھی نکل گئیں۔

والصدوا لیك بالعلوم خلود کل دست العلوم للکل دار

لیکن بہت سے قفرادعا کی بنا پر حیات ابدی کے مالک ہوگئے اور ہر مسند علمی ان کا گ

فابن حزم کذلك فارابي الفضد   بل بقل لنور علم منار

امام ابن حزم، حکیم فارابی اپنی کم مائیگی کے باوجود نورِ علم کی وجہ سے آج بھی مشعل راہ ہیں۔

للسان نعی محمداً اترب   صم اذناء انهد رهنه الوقار

جس زبان نے مولانا محمد جوناگڑھی کی خبر وفات پہونچائی اس میں خاک پڑے اس نے کانوں کو بہرہ اور قصر وقار و تحمل کو ڈھادیا۔

ألِحَيٍ بدار دنیا قرار   إن ثوب الحیات حقا معار

کیا کسی زندہ شخص کے لئے دنیا جائے سکون و قرار ہے؟ فی الواقع یہ لباس زندگی عاریت کا لباس ہے۔

عش فما العیش غیر کد وان عشـ   ـت غنیا فالمال فکر ابوار

کوئی شخص خواہ کتنا ہی غنی کیوں نہ ہو مگر دنیا کی زندگی اس کے لئے رنج و محن ہی ہے کیونکہ مال ایک جنجال ہے، ہلاکت ہے۔

کل آن فی جزع سلب نهب   الجزع تروق للحی دار

ہر آن اور ہر لمحہ مال کے چھن جانے اور لٹ جانے کا خطرہ رہتا ہے کیا اس پریشانی اور گھبراہٹ میں کسی زندہ شخص کو گھر خوشگوار معلوم ہوگا۔ (حاشا وکلّا)

اوفقیرا فان قنعت غناء   لك فيه محامد وفخار

یا اگر تم اس دنیا میں فقیر رہے اور قناعت کے ساتھ زندگی بسر کی تو یہی تمہاری ثروت و دولت ہے۔ یہ تمہاری زندگی بڑی ستائش اور بڑی عظمت کی ہوگی۔ الیٰ آخرہ۔

مولانا مرحوم ایک حق پرست عالم تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی فطانت، سادگی اور صبر و استقامت کی قوت عطا فرمائی تھی، اس طرح کے عالم و فاضل کی موت درحقیقت پوری قوم کی موت ہے۔ آپ کے انتقال سے پوری ملت اسلامیہ نے ایک ایسی شخصیت کو گم کردیا جس کی تلافی ناممکن معلوم ہوتی ہے۔

فما کان زید هلکه هلک واحد

ولکنه بنیان قوم تهدما

آپ کا انتقال کسی عام شخص کا انتقال نہیں ہے، بلکہ اس سے پوری ایک قوم کی عمارت تباہ ہوگئی۔

مصنّف کتاب ایک نظر میں

صدر شعبۂ عربی و اسلامیات راجشاہی یونیورسٹی بنگلہ دیش معروف مصنف اور دانشور پروفیسر ڈاکٹر محمد مجیب الرحمٰن صاحب مغربی بنگال کے ایک گاؤں "بابلہ بونا" میں یکم جولائی ۱۹۳۶ء کو پیدا ہوئے، اپنے والد مولانا عبدالغنی صاحب سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۹، ۱۰ سال کی عمر میں آپ کی والدہ صفورہ بیگم کی مفارقت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا، لیکن پھر بھی تعلیم جاری رکھا، جونیر اسکول کے امتحان میں اول درجہ میں کامیاب ہوئے، ۱۹۴۷ء کے قیامت خیز ہنگامہ میں مشرقی پاکستان منتقل ہوگئے، اور مدرسہ عالیہ ڈھاکہ سے عالمیت کا امتحان اول درجہ میں پاس کیا۔ جماعت اہل حدیث کے مشہور عالم مولانا محمد جوناگڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی بلقیس بیگم کے ساتھ آپ کی شادی ہوئی، مدرسہ عالیہ ڈھاکہ ہی سے فاضل اور کامل کے امتحانات بھی پاس کئے۔ پھر بعض اساتذہ کے مشورے سے مزید تعلیم کے لئے مغربی پاکستان چلے گئے اور جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں تعلیم کی تحصیل کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا، پھر جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں داخل ہوئے اور یہاں سے تعلیم کی تکمیل کے بعد ایک نیم سرکاری ہائی اسکول میں تدریس

کا آغاز کیا، اسی دوران بی، اے، آنرز اور ایم، اے کے امتحانات بھی پاس کئے۔

مغربی پاکستان میں قیام کے دوران مشہور مجاہد آزادی اور سرگرم اہل حدیث عالم مولانا محی الدین قصوری کے ساتھ آپ کے روابط استوار ہو گئے۔ موصوف صاحب ترجمہ پر بڑے مہربان تھے، مولانا کی زندگی اور خدمات پر ڈاکٹر صاحب کے مفصل مضامین ہند و پاک کے معیاری پرچوں میں شائع ہوئے۔

محدث کبیر حضرت مولینا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، نامور مصنف مولانا اکرم خان، مشہور ادیب ادریس احمد وغیرہم کی مفصل سوانح عمریاں مختلف جرائد میں قسط وار شائع ہوئیں۔

اسی طرح مختلف موضوعات پر بنگلہ، اردو، عربی اور انگریزی زبانوں میں بھی ڈاکٹر صاحب کے مضامین شائع ہو چکے ہوں گے، جنہیں علمی دنیا نے بنظر تحسین دیکھا ہے، راجشاہی کے ایک کالج میں تدریس کے بعد راجشاہی یونیورسٹی میں آپ کو بحیثیت پروفیسر مقرر کیا گیا، اور تقریبا ۲۷ سال سے آپ اس منصب پر کام کر رہے ہیں۔ اسی دوران آپ نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کی۔

مقالات اور مضامین کے علاوہ آپ کی تصانیف کی تعداد دو درجن سے زائد ہے، آپ نے متعدد کتابوں کے ترجمہ کی خدمت بھی انجام دی، ان میں تفسیر ابن کثیر کے بنگلہ ترجمہ کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے، عربی ادب کی تاریخ پر ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری کی کتاب کے حصہ اول و دوم کا ترجمہ بھی آپ نے بنگلہ زبان میں کیا۔

راجشاہی یونیورسٹی میں تدریس اور علمی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو مختلف بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کے مواقع ملے، کانفرنسوں کے نام کی تفصیل یہ ہے:

بنگلہ دیش کے بوگرا ضلع کی کانفرنس	۱۹۷۴ء
ضلع سلہٹ کی علمی وتاریخی کانفرنس	۱۹۷۶ء
بین الاقوامی قرآن کانگریس، ہمدرد نگر نئی دہلی	۱۹۸۵ء
فن ترجمہ پر منعقد عالمی سیمینار جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی	۱۹۸۴ء
راجستھان کے شہر ٹونک کا عالمی سیمینار	" "
دھولیان مغربی بنگال کی کانفرنس	" "
مدرسہ عالیہ کلکتہ کی تقریب، دو سو سال گذرنے کی مناسبت سے	۱۹۸۵ء
جنوبی ایشیا کا علاقائی سیمینار	" "
ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کا بین الاقوامی سیمینار	" "
اسلام آباد کی عالمی کانگریس	" "
لاہور کی حرمین شریفین کانفرنس	" "
استنبول کا عالمی سیمپوزیم	۱۹۸۶ء
چاٹگام ہسٹری کانفرنس	" "
بنگلہ دیش کھلنا کا بین الاقوامی سیمینار	۱۹۸۸ء
لندن کی پہلی یورپین اسلامی کانفرنس	" "
خدا بخش لائبریری قرآنی سیمینار	۱۹۹۰ء

صاحب مختلف علمی واسلامی مجالس وتنظیمات کے ممبر بھی ہیں
علمی ذوق اور بحث وتحقیق سے تعلق کا پتہ چلتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تصانیف اور ترجمے زبان کی صراحت کے ساتھ درج ذیل ہیں:

۱۔ امام بخاریؒ (چوتھا ایڈیشن) راجشاہی ڈھاکہ بنگلہ
۲۔ امام مسلمؒ (" ") " " "
۳۔ امام نسائی (" ") " " "
۴۔ قرآن ایک دائمی معجزہ (" ") " " "
۵۔ علامہ جار اللہ زمخشری اسلام آباد پاکستان "
۶۔ غیر مسلم معاشرہ پر اسلام کا رویہ و نظریہ راجشاہی ڈھاکہ "
۷۔ اسلام کے سنہرے دور میں ایک اعلیٰ خاندان (دوسرا ایڈیشن) ڈھاکہ "
۸۔ بنگلہ زبان و ادب میں مسلمان ادبا کی خدمات راجشاہی "
۹۔ محدثین کرام کی شاندار خدمات راجشاہی ڈھاکہ "
۱۰۔ بنگلہ زبان میں قرآن مجید کا چرچا (دوسرا ایڈیشن) " "
۱۱۔ انصار مدینہ اسلامک فاؤنڈیشن " "
۱۲۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ " "
۱۳۔ امام ابن تیمیہ اور ان کی اصلاح و تجدید (اسلامک فاؤنڈیشن) " "
۱۴۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (توحید پبلیکیشنز) " "
۱۵۔ علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ " " " "
۱۶۔ تفسیر ابن کثیر (کئی جلدوں میں) "
۱۷۔ تاریخ ادب عربی از ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری ۱-۲ "
۱۸۔ افسانہ مصر (دوسرا ایڈیشن)
۱۹۔ حضرت ابراہیمؑ سوانح [illegible] یات اور زمانہ

۲۰۔ حضرت کعب بن زہیرؓ اور ان کی شاعری	ڈھاکہ	بنگلہ
۲۱۔ تسلیم الدین احمد اور ان کی ادبی و علمی خدمات	"	"
۲۲۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز	"	"
۲۳۔ مولینا محمد صاحب جوناگڑھی	"	"
۲۴ غیر مسلم معاشرہ پر اسلام کا رویہ و نظریہ	راجشاہی ڈھاکہ	انگلش
۲۵۔ اعجاز القرآن (ادارۃ البحوث الاسلامیہ بنارس ہند)		اردو
۲۶۔ مضامین مجیب (انصار السنۃ کلکتہ وجمال پریس دہلی)		"
۲۷۔ علامہ جار اللہ زمخشری (اسلام آباد پاکستان)		"
۲۸۔ مولینا محمد صاحب جوناگڑھی (ادارۃ البحوث الاسلامیہ بنارس ہند)		"

ان کتابوں کے علاوہ پاک و ہند، بنگلہ دیش اور نیپال سے شائع شدہ مختلف جرائد و مجلات کے صفحات میں آپ کے بہت سے علمی، معاشرتی اور فکری مضامین و مقالات اشاعت پذیر ہوئے ہیں۔

درس و تدریس کے سلسلے میں آپ نے نہ صرف کالج و یونیورسٹی کے تشنگان علوم و فنون کی پیاس بجھائی بلکہ درس نظامی کی متعدد دانش گاہوں میں خدمت انجام دی۔

ڈاکٹر صاحب اپنے علمی منصوبوں کی تکمیل کے سلسلہ میں اس وقت امریکہ میں مقیم ہیں، ہمیں قوی امید ہے کہ موصوف کے ذریعہ دین و علم کی خدمت برابر انجام پاتی رہے گی۔

جامعہ سلفیہ

مرکزی دارالعلوم

بنارس

ہندوستان میں علوم دینیہ اور عربی
زبان و ادب کی عظیم مرکزی درسگاہ ہے،
اس کا نصب العین کتاب و سنّت اور فقہ اسلامی
کی ترویج و اشاعت اور مسلک سلف کے مطابق
طلبہ کی تعلیم و تربیت ہے، ۱۳۸۵ھ میں تعلیم
کے آغاز سے اس وقت تک اس ادارہ نے اہم
تدریسی و تصنیفی خدمات انجام دی ہیں۔